اردو نعت
اور چند ادبی تحریکیں
ڈاکٹر طاہرہ انعام
ریسرچ سینٹر

اصناف ادب کے فروغ اور معنی آفرینی کا جائزہ اس رخ سے بھی لیا جاتا ہے کہ ایک عہد کے تصورات، نظریات، یا کسی خاص تحریک کے زیر اثر ان اصناف نے کیا رخ اختیار کیا اور معاشرے میں ان کی ترسیل و ترویج کا عمل کس طرح سامنے آیا۔ ڈاکٹر طاہرہ انعام کی زیر نظر کتاب اسی زاویۂ نظر کی غماز ہے جس میں انھوں نے نعت کا مطالعہ اردو ادب کے سیاق میں سامنے آنے والی اہم تحریکوں کے حوالے سے کیا ہے اور نعت کے تخلیقی و فنی اور فکری و نظریاتی سفر کا جائزہ لیا ہے۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے یہ ایک توجہ طلب کتاب ہے۔ جب ہم اپنی ادبی تہذیب میں نعت کے حوالے سے ان تحریکوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے اس لیے کہ نعت وہ صنف اظہار ہے جس میں ہمارے تہذیبی شعور اور فکری وابستگی کا گہرا اظہار ہوا ہے۔ یہ امر اطمینان اور انبساط کا باعث ہے کہ اب نقد و ادب کے باب میں نعت کے حوالے سے جو کام ہو رہا ہے اور نعت کی یک موضوعیت کے باوجود اس کے محاکے، مطالعے اور جائزے کے لیے جو پہلو اور سوالات مدنظر رکھے گئے ہیں وہ اس نوع کی کسی دوسری صنف کے بارے میں شاید ہی دیکھنے کو ملیں۔ حوالے کے لیے ڈاکٹر طاہرہ انعام کے اسی کام کو سامنے رکھا جا سکتا ہے۔ جب ہم ان ادوار اور تحریکوں میں نعت کی صورتحال کو دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس صنف ادب نے کس طرح ہماری تہذیبی اقدار کی پاسداری کی ہے اور ہمارے ادبی شعور کو اپنی بنیادوں سے ہم آہنگ رکھا ہے ادب و نقد کی یہ وہ جہت ہے جو کسی تہذیب اور اس کے مظاہر کو آیندہ زمانوں میں لے کر چلتی ہے اور نئی نسلوں کو ان کی وراثت منتقل کرتی ہے۔ یہ کتاب اپنی موضوعی اہمیت کے پیش نظر نہ صرف توجہ طلب رہے گی بلکہ امید کی جا سکتی ہے کہ یہ دوسروں کے لیے نئے زاویہ ہائے نقد و نظر کی تحریک کا بھی ذریعہ ہوگی۔ یہ اس کتاب کی اہمیت بھی ہے اور نعت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان بھی۔

ISBN: 978-969-8918-77-4
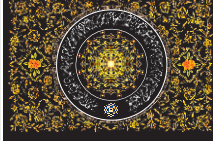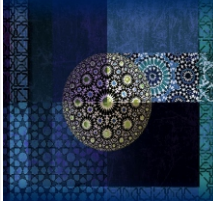
ڈاکٹر طاہرہ انعام

اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو
گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین
کارخانہ بازار فیصل آباد
tahira.inaam@gmail.com

اردو نعت
ﷺ
اور چند ادبی تحریکیں

ڈاکٹر طاہرہ انعام

نعت ریسرچ سینٹر

ہمارا نصب العین ! نعتیہ ادب کا فروغ

کتاب : اُردو نعت اور چند ادبی تحریکیں

مصنفہ : ڈاکٹر طاہرہ انعام

کتابت : زبیر حسن جیری

مطبع : مہر گرافکس اینڈ پبلشرز

اشاعت : 2024ء

تعداد : 500

صفحات : 176

قیمت : 800

شائع کردہ

B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی۔

لختِ ہائے جگر

حمنہ، حمزہ، حذیفہ

کے نام

فہرست

■ پیش گفتار............ڈاکٹر طاہرہ انعام ۷

■ نقدِ نعت کی نئ جہت............ صبیح رحمانی ۱۱

۱. باب اوّل: اُردو نعت اور سر سیّد کی تحریک ۱۵

۲. باب دوم: اُردو نعت اور رومانی تحریک ۳۶

۳. باب سوم: اُردو نعت اور ترقی پسند تحریک ۶۰

۴. باب چہارم: اُردو نعت اور حلقۂ اربابِ ذوق کی تحریک ۱۰۴

۵. باب پنجم: اُردو نعت اور اسلامی ادب کی تحریک ۱۴۸

پیش گفتار

یہ کتاب ایک تحقیقی مطالعہ ہے جس کی بنیاد اس فرضیۂ تحقیق پر ہے کہ صنفِ نعت، دیگر اصناف کی طرح ادبی رَو کا حصہ ہوتے ہوئے اپنے عہد کے رجحانات و میلانات کا اثر قبول کرتی ہے اُردو ادب کی نمایاں تحریکات کے زیرِ اثر تخلیق کردہ ادب کا جائزہ مختلف پہلوؤں سے لیا جاتا رہا ہے لیکن ان جائزوں میں دیگر ادبی اصناف کی طرح نعت کا ذکر بالعموم نہیں ملتا۔ کسی تحریک کے مجموعی جائزے میں تحریک کے پس منظر، محرکات، اثرات اور عواقب پر بات کرتے ہوئے اس عہد کی غزل، نظم، افسانے، ناول اور تنقید پر تحریک کے ہمہ گیر اثرات کو تسلیم کیا جاتا ہے لہٰذا یہ بات بھی تسلیم کی جانی چاہیے کہ صنفِ نعت بھی ان اثرات سے مستثنیٰ نہیں۔

نعت گوئی کے متعلق کسی تحریک کے تناظر میں ناقدین کی آرا محدود سیاق و سباق میں سامنے آئیں۔ الطاف گوہر نے اپنے مضمون ''نوجوان اسکول کا نظریۂ شعر'' میں ادبی بغاوت اور انقلاب پر بات کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''لوگوں کے پاس اتنی فرصت کہاں کہ ہر ادبی تحریک کے متعلق کوئی خیال قائم کر سکیں۔ ان کا گزارا مانگے تانگے پر چلتا ہے وہ اپنی تمام آرا اور اپنے تمام نظریے ان لوگوں سے مستعار لیتے ہیں جو زندگی کے کسی شعبے میں نمایاں حیثیت رکھتے ہوں۔ اس لیے نہیں کہ وہ نظریے صحیح ہیں بلکہ اس لیے کہ یہ نظریے ان باعزت اور ذمہ دار لوگوں کے ہیں جو روایتی لحاظ سے کامیاب سمجھے گئے ہیں۔

اب اگر یہی لوگ جو عوام کی رائے کے صُورت گر ہیں۔ کسی تحریک کو ارادتاً غلط روشنی میں پیش کریں تو قصوروار یہ ہیں، عوام نہیں۔"

(تحریریں چند، ص:۳۹)

صنفِ نعت کے حوالے سے یہ نکتہ یوں اہم ہے کہ اگر کسی تحریک کے حق یا اختلاف میں ایک رائے زبان زدِ عام ہو گئی تو وابستگانِ تحریک کی نعتیہ تخلیقات کے محاسن و معائب اسی معروف تاثر کے تلے محجوب رہے مثلاً ترقی پسند تحریک کے شعراء کی نعتیہ شاعری اس کی واضح مثال ہے۔ اگر دیکھا جائے تو کسی بھی عہد میں عصری مقبولیت کی حامل اصناف کا جائزہ، شاعر کی وجہِ انتخاب کو سامنے رکھ کر لینا روا نہیں رہا۔ دربار نے قصیدہ رائج کیا، داستانی مزاج نے مثنوی کو فروغ دیا۔۔۔ تنقید ان کی ادبیت پر بات کرتی ہے، شاعر اس صنف میں تخلیق پر کیوں مائل ہوا؟ یہ بات اوّلین نہیں، ثانوی ہے، لہٰذا ترقی پسندوں کے مذہبی نظریات سے متعلق اضافی تنقید ان کے فن پاروں کی تخلیقی جمالیات اور نعتیہ ڈکشن پر ان کے اثرات کو نمایاں کرنے میں مانع رہی ہے۔ اسی طرح اسلامی ادب کی تحریک پر مقصدیت اور نظریے کی چھاپ نے اس پہلو کو اجاگر نہ ہونے دیا کہ اس تناظر میں نعت کی تبلیغی و اصلاحی جہت توانا ہو گئی۔ در حقیقت صنفِ نعت کے لیے خیر اندیشی کسی بھی ادبی تحریک کے اہداف میں شمار نہ تھی، ترقی پسند تحریک کو مذہب بیزاری اور اسلامی ادب کی تحریک کو مذہب پرستی کے باعث ان سوالات کا سامنا ہوا۔

نعتیہ شاعری پر تحقیق و تنقید کے زمرے میں یہ بات بھی اضافی معلوم ہوتی ہے کہ شاعر کی شخصیت کے مذہبی عنصر کا تجزیہ کیا جائے۔ میر و غالب سمیت ادبی تاریخ کے بیشتر نامور شعرا نے نعت کو ترجیح نہیں دی۔ اس بات سے ان شعرا کی مذہبی اُپج پر حرف نہیں آتا۔ گویا اسے جانچنے کے لیے نعت گوئی کو میزان نہیں سمجھا گیا۔ جس طرح تمام مذہب پسند شعرا نعت گو نہیں اسی طرح سبھی غیر نعت گو شعرا مذہب مخالف نہیں معتدل نگاہی سے دیکھا جائے تو ہر عہد میں شعرا نے اپنے میلانِ طبع کے مطابق اصناف کو اختیار کیا۔ جن شعرا نے نعت گوئی کو شعار بنایا ان کی نعت گوئی ادبی اعتبار سے بیک وقت شاعر کے شخصی اوصاف

اور اپنے عہد کے ادبی رجحانات کی آئینہ دار ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں پانچ ادبی تحریکیں موضوعِ گفتگو رہی ہیں۔ ان تحاریک کے پس منظر، مقاصد، اثرات یا ردّ عمل کا اعادہ کیے بغیر براہِ راست نعتیہ ادب کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ جن مشاہیر کی نعت گوئی پر خاطر خواہ تحریری مواد موجود ہے۔ ان سے متعلق گفتگو کو طُول نہیں دیا گیا جبکہ بعض شعرا کی نعت کا تذکرہ، نعتیہ مجموعوں تک عدم رسائی کے باعث مختصر رہا۔

بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے منہج کے اعتبار سے سر سیّد کی تحریک نعتیہ ادب سے علاقہ نہیں رکھتی مگر مولانا حالی کی نعت جو جدید نعت میں ایک اہم سنگِ میل ہے اسے سر سید تحریک کی مقصدیت، عقلیت اور سلاست کے ساتھ ساتھ سر سید کے تصورِ مذہب سے بیگانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آگے چل کر اقبال نے (بقول ڈاکٹر تحسین فراقی) اسی رنگ میں اپنا سوز و گداز شامل کیا۔ لہٰذا ادب کے عصری منظر نامے سے فطری اکتساب کرتے ہوئے اقبال کی شاعری سر سیّد کی تحریک کے اثرات سے مبرّا نہیں۔ ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری میں قومی و ملّی رنگ اسی عصریت کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ سر سیّد دین و دنیا میں جس توازن کے قائل تھے ان کے سامعین فی الفور اس فکری اجتہاد اور توازن کے متحمل نہ تھے۔ البتہ اس قومی ہمدردی کے جذبے کا روحانی زاویہ سر سیّد کے تابعین کی نعت گوئی کی صورت میں سامنے آیا۔

رومانی تحریک نے فرد کی داخلیت، وجدان کے ذریعے صداقت کی تلاش اور قوتِ متخیّلہ سے ادب میں نہ صرف تصور و خیال بلکہ زبان کے ڈھانچے کو بھی متاثر کیا رومانی شعرا کے مختصر نعتیہ سرمائے میں الفاظ و تراکیب سے صوتی تاثر میں دلکشی پیدا کرنے اور حسنِ فطرت سے تشبیہات و استعارات اور علائم اخذ کرنے کے اوصاف مشترک ہیں۔ ترقی پسند تحریک نے شاعری میں موضوع، ہیئت، اسلوب اور لفظیات کے دائرے میں جو تموّج پیدا کرنے کی سعی کی، ترقی پسند شعرا کی نعتیہ شاعری بھی اس کے اثرات سے خالی نہیں ان شعرا نے اکثر اسوۂ رسول ﷺ کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جو معاشرتی تفریق اور جبر و استحصال

کی تکذیب کرتے ہیں اور آنحضور ﷺ کے عدل و مساوات کے عکاس ہیں حلقۂ اربابِ ذوق کی ادبی فضا کسی نظریاتی ترسیل کی پابند نہ تھی یوں اس نے ادب کو کثیر الجہات استفادے کی راہ دکھائی تنوع، حسیت اور لطافت میں اضافہ کیا۔ استعاراتی و علامتی نظام کو وسعت عطا کی۔ نظم کو مزید فروغ ہوا۔ حلقۂ اربابِ ذوق کے شعرا نے صنفِ نعت کو بھی فکر واظہار کی ان لطافتوں سے ہمکنار کیا۔ جس سے نعت میں شعری اسالیب اور تجربات کا دامن وسیع ہوا۔ اسلامی ادب کی تحریک کے زیرِ اثر نعت میں مقصدی و اصلاحی رنگ گہرا ہو گیا۔ نعت کی تبلیغی جہت نمایاں ہوئی۔ جہاں ادبی حسن، مقصد و نظریے سے متاثر ہوا وہیں شعرا کی علمیت اور صلاحیتوں نے انفرادی نقوش بھی قائم کیے۔

ادبی تحریکات کے تناظر میں صنفِ نعت کا یہ جائزہ حتی المقدور اور محدود ہے۔ مگر موضوع کو سامنے لانے اور اس کے آئندہ امکانات کی طرف توجہ دلانے میں اہم ضرور ہے۔ ہمسر م محمد انعام شہزاد کی حوصلہ افزائی اور فیاضی، مخدومی سیّد صبیح رحمانی کی شفقت و اعانت اس کتاب کی تکمیل کا محرّک رہی ہے۔ محسنین کے لیے بے پناہ تشکر اور دعائیں۔

طاہرہ انعام

نقدِ نعت کی نئی جہت

اصنافِ ادب کے مطالعے کی ایک اہم جہت یہ بھی ہوتی ہے کہ دیکھا جائے مختلف ادوار میں اظہار کی صورتیں اور تخلیقی عمل کس طور پر اُن میں سامنے آیا ہے۔ اصل میں ادب بلکہ ہر تخلیقی اظہار کا معاملہ یہ ہے کہ اپنے عہد، اس کی انسانی اور سماجی صورتِ حال اور مخصوص حالات کے اثرات کو قبول ہی نہیں کرتا، بلکہ اپنے دائرے میں کسی نہ کسی سطح پر ان کا عکاس بھی ہوتا ہے۔ یہ اثر پذیری اگرچہ براہِ راست نہیں ہوتی، یعنی من و عن اسی طرح کسی عہد کے افکار و نظریات تخلیقی عمل میں سامنے نہیں آتے جس طرح وہ سماج میں وقوع پذیر ہوتے ہیں، بلکہ وہ زیریں سطح پر اور فن کار کے شعور و نظر سے آمیز ہو کر اُس کے فن میں راہ پاتے ہیں، لیکن ادب و فن میں اُن کے اظہار کو محسوس بہر حال کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اصنافِ ادب کے فروغ اور معنی آفرینی کا جائزہ اس رُخ سے بھی لیا جاتا ہے کہ ایک عہد کے تصورات، نظریات یا کسی خاص تحریک کے زیرِ اثر انھوں نے کیا رُخ اختیار کیا اور معاشرے میں ان کی ترسیل و ترویج کا عمل کس طرح سامنے آیا۔ ڈاکٹر طاہرہ انعام کی زیرِ نظر کتاب اسی ثانی الذکر زاویۂ نظر کی غماز ہے جس میں انھوں نے نعت کا مطالعہ اردو ادب کے سیاق میں سامنے آنے والی اہم تحریکوں کے حوالے سے کیا ہے۔

طاہرہ انعام درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ اُن کے ہاں تخلیقی اظہار کی صلاحیت بھی نمایاں ہے کہ اب تک ان کے دو شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں، علاوہ ازیں اُن کے مزاج میں تنقیدی و تحقیقی عنصر بھی واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ اُن کا جو کام میری نظر سے گزرا ہے۔ اس کے حوالے سے میں یہ بات ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ انھوں

نے تنقید و تحقیق کا شعبہ کسی خارجی مقصد کی وجہ سے نہیں، بلکہ ایک داخلی ضرورت اور ذوق و شوق کے تحت اختیار کیا ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے اس کام کو اپنی کسی دنیاوی ضرورت کے لیے استعمال نہیں کیا ہے، بلکہ اُن کے لیے یہ کام اپنی جگہ خود ایک مقصد کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مقصد اُن کی ذات کی تسکین کا ذریعہ تو ہے ہی، تاہم اس کے ساتھ ساتھ معاصر ادب اور اُس کی سماجیات کے لیے بھی کچھ غور طلب پہلو رکھتا ہے۔

''اردو نعت اور چند ادبی تحریکیں'' اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک توجہ طلب کتاب ہے۔ طاہرہ انعام نے اس کتاب میں اردو ادب کی فکری و نظریاتی دنیا میں رونما ہونے اور اثرات مرتب کرنے والی پانچ اہم تحریکوں:

۱۔ سرسیّد کی تحریک ۲۔ رومانی تحریک ۳۔ ترقی پسند تحریک
۴۔ حلقۂ اربابِ ذوق کی تحریک ۵۔ اسلامی ادب کی تحریک

کے حوالے سے اور نعت کے تخلیقی و فنی اور فکری و نظریاتی سفر کا جائزہ لیا ہے۔ ان تحریکوں کے اثرات کی نوعیت کیا رہی اور ہمارے یہاں زبان و ادب کو اُن سے کیا ملا، یہ تو خود اپنی جگہ تفصیل طلب موضوع ہے۔ تاہم جب ہم اپنی ادبی تہذیب میں نعت کے حوالے سے ان تحریکوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کہ ہمارے ادب و شعر میں نعت کی حیثیت محض ایک عمومی صنفِ ادب کی نہیں ہے، بلکہ یہ وہ صنفِ اظہار ہے جس میں ہمارے تہذیبی شعور اور فکری وابستگی کا سب سے گہرا اظہار ہوا ہے۔ اس اظہار کی نوعیت بھی قوسِ قزح جیسی ہے، یعنی یہ متنوع رنگوں میں نمایاں ہوا ہے۔

اب یہ بات ادبِ تقدیس سے وابستہ تخلیق کاروں اور نقادوں ہی پر نہیں، بلکہ ادب کے وسیع دائرے میں تسلیم کرلی گئی ہے کہ نعت کو ہمارے ادب میں ویسی ہی مرکزی حیثیت حاصل ہے جیسی رنگارنگ مظاہر سے چھلکتی ہوئی اس کائنات میں اشرف المخلوقات انسان کو حاصل ہے۔ قدرت کے اس کارخانے میں حسن اور رازہائے دروں کی تفتیش و جستجو اور تفہیم کا کارنامہ انسان ہی نے انجام دیا ہے۔ بالکل اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری تہذیب کے بنیادی تصورات کی تشکیل و تعبیر دونوں ہی سطح پر حرفِ نعت نے اساسی کردار ادا کیا ہے۔

یہ درست ہے کہ نعت کے بطور صنفِ ادب اہمیت اور جامعیت کا اعتراف ہمارے نقد و نظر کے ایوانوں میں خاصی تاخیر سے کیا گیا، تاہم یہ امر اطمینان اور انبساط کا باعث ہے

کہ اب نہ صرف نعت کی ادبی اہمیت وحیثیت کو نہ صرف تسلیم کر لیا گیا ہے، بلکہ نقدِ ادب کے باب میں ہم دیکھتے ہیں کہ جامعات میں اور آزادانہ طور پر نعت کے حوالے سے جو کام ہو رہا ہے، وہ ہمارے ادب کی کسی بھی دوسری بڑی صنف سے کس طرح کم نہیں ہے، بلکہ بعض اعتبارات سے تو یہ فزوں تر دکھائی دیتا ہے۔ مثال کے طور پر نعت کی یک موضوعیت کے باوجود اس کے مطالعے، محاکمے اور جائزے کے لیے جیسے پہلو اور سوالات پیشِ نظر رکھے گئے ہیں، وہ اس نوع کی کسی دوسری صنف کے حوالے سے شاید ہی دیکھنے کو ملیں۔ یہاں حوالے کے لیے طاہرہ انعام کے اسی کام کو سامنے رکھا جا سکتا ہے۔ اب ذرا آپ خود ہی نگاہ اٹھائیے اور دیکھیے کہ دوسری ایسی کون سی یک موضوعی صنف ہے جس کے حوالے سے اس نوع کا زاویۂ نقد و نظر بروئے کار آیا ہے۔ خیر یہاں نہ تو نعت کا کسی دوسری صنف ادب سے موازنہ مقصود ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ عرض صرف یہ کرنا ہے کہ جب کوئی بڑی صنف ادب توجہ کا مرکز بنتی ہے تو اس کے حوالے سے دیکھنے، سمجھنے، سوچنے اور بات کرنے کے وہ عنوانات بھی مرکزِ نگاہ بن جاتے ہیں جو صرف اس خاص صنف ہی کی اہمیت اور نوعیت کو اجاگر نہیں کرتے، بلکہ خود ادب کے مرکزی دھارے کے لیے بھی تخمین و ظن کا جواز بنتے ہیں۔

میں یہاں ایک بار پھر طاہرہ انعام کے اسی کام کو حوالے کے طور پر پیش کروں گا۔ اس کتاب کے پانچ ابواب میں اردو ادب کی پانچ تحریکوں کے تناظر میں اردو نعت کے تخلیقی سفر کا تو بے شک جائزہ ہمارے سامنے آتا ہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان ادوار کا ادبی و سماجی منظر نامہ بھی ہمیں ایسی ایک جھلک دکھا دیتا ہے جس کے ذریعے ہم اُن مخصوص عوامل پر بھی ایک حد تک غور کر سکتے ہیں جو کہ ان تحریکوں کے رونما ہونے اور فروغ پانے کا ذریعہ بنے تھے۔ گویا اس طرح ہم اپنے ادب، ادیب اور سماج کے رویوں اور حالات کے پیدا کردہ مخصوص عوامل کا بھی کسی حد تک جائزہ لے سکتے ہیں۔ ان سب کے ساتھ جب ہم ان ادوار اور تحریکوں میں نعت کی صورتِ حال کو دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس صنفِ ادب نے کس طرح ہماری تہذیبی اقدار کی پاس داری کی ہے اور ہمارے ادبی شعور کو کس طرح اپنی بنیادوں سے ہم آہنگ رکھا ہے۔ ادب و نقد کی یہ وہ جہت ہے جو کسی تہذیب اور اس کے مظاہر کو آئندہ زمانوں میں لے کر چلتی ہے اور نئی نسلوں کو اُن کی وراثت منتقل کرتی ہے۔

طاہرہ انعام کے کام کی ایک اہمیت و انفرادیت تو یہ ہے کہ انھوں نے مطالعۂ نعت کے لیے اردو ادب کی چند اہم تحریکوں کو پیشِ نظر رکھا ہے اور ان کے حوالے سے نعت کے تخلیقی منہاج کو پرکھا اور سمجھا ہے۔ یہ کام اردو نعت کے حوالے سے پہلی بار ہوا ہے۔ دوسرے اُن کے کام کا یہ پہلو بھی اہم ہے کہ انھوں نے ان تحریکوں کے حوالے سے نعت کی فنی حیثیت پر خصوصی توجہ مرکوز کی ہے۔ اس طرح نعت کی ادبی و فنی حیثیت اور نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔

ادب اور خاص طور پر نقد کی دنیا میں کسی بھی کام کو حرفِ آخر نہیں کہا جاسکتا۔ اس لیے میں ڈاکٹر طاہرہ انعام کے اس کام کے بارے میں یہ نہیں کہوں گا کہ اس موضوع کے حوالے سے آئندہ کسی کام کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ البتہ یہ بات میں ضرورت عرض کروں گا کہ یہ کتاب اپنی موضوعی اہمیت کے پیشِ نظر نہ صرف توجہ طلب رہے گی، بلکہ امید کی جاسکتی ہے کہ یہ دوسروں کے لیے نئے زاویہ ہاے نقد و نظر کی تحریک کا ذریعہ بھی ہوگی۔ یہ اس کتاب کی اہمیت بھی ہے اور نعتِ رسالت مآب اکا فیضان بھی۔

صبیح رحمانی

باب اوّل

اُردو نعت اور سرسیّد کی تحریک

اُردو نعت اور سرسیّد کی تحریک

انیسویں صدی میں ہندوستان کی متغیر سیاسی و سماجی زندگی میں مذہب و سیاست اور علم و ادب کے فکری منہاج پر جو تحریکیں اثر انداز ہوئیں ان میں علی گڑھ تحریک کا اختصاص یہ ہے کہ اس کے اثرات تمام دائرہ ہائے فکر پر مرتب ہوئے تعلیمی، معاشرتی، سیاسی رہنمائی کے علاوہ سرسیّد نے اپنی قوم کو علم و ادب اور تہذیب کے نئے زاویوں سے آگاہ کرنے کی جو کوششیں کیں ان سے سرسیّد کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کو بحالیِ تشخص کے قابل بنانا تھا۔ سرسیّد، حالی اور شبلی کی تحریروں میں ادب سے متعلق تنقیدی نظریات کا اظہار ملتا ہے۔

صنفِ نعت کو ادبی معیارات پر جانچنے کا تنقیدی شعور گزشتہ چند دہائیوں میں فروغ پاتا رہا ہے۔ مگر یہ بات بھی مسلّم ہے کہ نعت بہر حال تصورِ مذہب اور تصورِ رسالت سے علاقہ رکھتی ہے۔ ایک نعت گو کے عقائد کی بنیادیہی تصورات ہیں اور لا محالہ نعت پر اثر انداز ہوتے ہیں سرسیّد کے ساتھیوں میں مولانا الطاف حسین حالی کا نام بلا شبہ جدید نعت گوئی میں اہمیت کا حامل ہے۔ حالی، سرسیّد سے متاثر اور بیشتر امور میں ان کے ہم خیال رہے ہیں۔ شعر وادب سے متعلق ان دونوں شخصیات نے مماثل نظریہ اپنایا لہٰذا حالی کی نعت گوئی سے قبل سرسیّد کے حوالے سے کچھ بات کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سرسیّد کی تحریروں سے یہ بات واضح ہے کہ وہ رواجی مذہب کے بجائے حقیقی مذہب کے قائل تھے۔ ڈاکٹر سیّد عابد حسین کے بقول سرسیّد کی اس ”رومانی اعتذاری تحریک“ کا ایک مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ اسلام سچا مذہب ہے اور اصول و قوانینِ فطرت کے عین مطابق ہے۔[۱] ”تہذیب الاخلاق“ کے مقاصد کیا ہیں، اس کے اجرا کے متعلق تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے سرسید نے انگریز مورخ کا قول درج کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> ”ہندوستان کے مسلمان ذلیل ترین اُمت ہیں اور قرآن کے مسئلوں اور ہندوستان کی بت پرستی سے مل ملا کر ان کا مذہب ایک عجیب سا مجموعہ ہو گیا ہے۔“[۲]

بقول سرسیّد اس پرچے کے اجرا کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل تہذیب

اختیار کرنے کی طرف راغب کرنا تھا۔ غیر مسلموں کی نظر میں مسلمان قوم کو اخلاق، تمدن اور معاشرت میں مہذب کر کے دکھانا ان کا مطمحِ نظر تھا۔ اس سلسلے میں مذہب کو اہمیت دیتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کو اپنی عادات و رسوم کو مذہبی مسائل کی روشنی میں پرکھنے کی تبلیغ کی ہے۔ اپنے عہد کے فنِ شاعری کی خرابیاں اور نقائص بیان کرنے کے بعد سر سیّد نے جہاں شاعری میں سادگی، سلاست اور اصلیت پر زور دیا ہے وہاں علمِ دین کے متعلق بھی ان کی یہی رائے ہے:

> ''علمِ دین تو وہ خراب ہوا ہے جو ہونے کا حق ہے۔ اس معصوم، سیدھے سادے اور سچے پیغمبر نے جو خدا تعالیٰ کے احکام بہت سدھاوٹ، صفائی و بے تکلفی سے جاہل ان پڑھ بادیہ نشین عرب کی قوم کو پہنچائے تھے اس میں وہ نکتہ چینیاں، باریکیاں گھسیڑی گئیں اور وہ مسائل فلسفیہ اور دلائل منطقیہ ملائی گئیں کہ اس میں صفائی اور سدھاوٹ اور سادا پن کا مطلق اثر نہ رہا، بہ مجبوری لوگوں کو اصلی احکام کو جو قرآن و معتمد حدیثوں میں تھے، چھوڑنا پڑا اور زید و عمر کے بنائے اصولوں کی پیروی کرنا پڑی۔''(۳)

سر ولیم مور کی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' کے جواب میں ''خطباتِ احمدیہ'' تحریر کرنے کے لیے بھی سر سیّد نے نہایت ریاضت، تن دہی اور جذبہ و خلوص کا مظاہرہ کیا۔ اہلِ دنیا کے آگے اسلام کو ہر عہد کا دینِ کامل ثابت کرنے کی سعی کی۔ سر سیّد کے مذہبی تصورات سے دیگر علماء کو جو اختلافات رہے ہیں ان سے قطع نظر اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ مذہب اسلام کے علاوہ پیغمبرِ اسلام کی حقانیت ہمہ وقت ان کے پیشِ فکر و نظر رہی ہے۔ ان بنیادی تصورات میں سر سیّد کے خیالات کا حالی کے فکر و فن پر اثر رہا ہے۔

حالی کی نعت گوئی بالعموم مسدس (۱۸۷۹ء) میں شامل نعتیہ اشعار کے حوالے سے موضوعِ بحث بنی چونکہ زیرِ نظر مضمون میں علی گڑھ تحریک کے تناظر میں نعتیہ شاعری کا مطالعہ مقصود ہے لہٰذا مسدس میں شامل نعتیہ کلام ہی اس گفتگو کے لیے بہتر بنیاد ہو گا۔ دیباچے میں حالی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ سر سیّد ہی کے ادبی منشور کا عکس ہے:

> ''ہمارے ملک کے اہلِ مذاق ظاہراً اس روکھی پھیکی سیدھی سادی نظم کو پسند نہ کریں گے، کیونکہ اس میں تاریخی واقعات ہیں۔ یا چند آیتوں اور حدیثوں کا

ترجمہ ہے جو آج کل قوم کی حالت ہے۔ اس کا صحیح صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے نہ کہیں نازک خیالی ہے نہ رنگیں بیانی نہ مبالغہ کی چاٹ ہے نہ تکلف کی چاشنی ہے۔ غرض کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے اہلِ وطن کے کان مانوس اور مذاق آشنا ہوں۔۔۔ گویا اہلِ دلی و لکھنؤ کی دعوت میں ایک ایسا دستر خوان چُنا گیا ہے جس میں اُبالی کھچڑی اور بے مرچ سالن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مگر اس نظم کی ترتیب مزے لینے اور واہ واہ سننے کے لیے نہیں کی گئی بلکہ عزیزوں اور دوستوں کو غیرت اور شرم دلانے کے لیے کی گئی ہے اگر دیکھیں اور پڑھیں اور سمجھیں تو ان کا احسان ہے ورنہ کچھ شکایت نہیں۔"(۴)

مسدسِ حالی میں نعتیہ اشعار گویا بالترتیب بیان ہوتی ہوئی تاریخ کا حصہ ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کی حالت کے بعد ولادت و بعثت کا ذکر آتا ہے، دیباچے میں بیان کیے گئے مقصد و محرّک کے مطابق حقائق کو سمیٹتے ہوئے ہر عہد کا نقشہ کھینچتے ہوئے آگے بڑھ جانا حالی کو مقصود ہے مگر اس سرعت میں بھی یہ نشان مل جاتے ہیں کہ وہ صناع بدائع سے نابلد نہیں:

ہوئے محو عالم سے آثار ظلمت — کہ طالع ہوا ماہ برج سعادت
نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت — کہ تھا ابر میں ماہتاب رسالت

یہ چالیسویں سال لطفِ خدا سے
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے(۵)

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اخلاقِ فاضلانہ کا ذکر نعت کا مستقل موضوع ہے محض سماجی حوالوں سے خصائلِ مبارک کا بیان قابلِ اعتراض بات نہیں۔ جن اشعار سے رسالت و بشریت کے متعلق حالی کے خیالات پر سوال اُٹھایا گیا وہ ایسے اشعار ہیں:

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے حق نے دی ہے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی(۶)

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی زبانِ مبارک سے بھی خود کو اللہ کا عاجز بندہ کہا ہے۔ اس سیاق و سباق میں حالی کا یہ مضمون جو مسدس میں بزبانِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بیان ہوا ہے۔ کچھ غلط معلوم

نہیں ہوتا کیونکہ دیگر نعتیہ کلام میں حالی نے آنحضور ﷺ خاکی و نوری دونوں حیثیات کو بیان کیا ہے، مسدس میں اس موقع پر یہ سپاٹ بیانیہ اس بیزاری کا نتیجہ ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کی بے توازن اور مختلط مذہبی رسوم سے سر سیّد اور ان کے ہم خیالوں کو لاحق تھی، یہی سماجی برائیاں اور عقائد کی بے ضابطگیاں مسلمانوں کی سماجی زندگی کو ابتر بنا چکی تھیں اس مقصدی پہلو کی طرف جھکاؤ نے مسدس کے نعتیہ اشعار میں آپ ﷺ کے سماجی اخلاق و کردار کی عمدگی سے متعلق مضامین ہی حالی سے ادا کرائے۔ حسن عسکری نے حالی کے اس پیرایۂ اظہار پر سخت تنقید کی ہے:

> ”حالی کی نعت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کردار نہایت بلند تھا اور ان سے ہمیں بڑے فائدے پہنچے۔ بلند کردار کے لوگ اور انسانیت کو فائدے پہنچانے والے تو بہت ہوئے ہیں مگر ان سے لاکھوں انسانوں کو ایسی والہانہ محبت کیوں نہیں ہوتی جیسی آنحضرت ﷺ سے ہے؟ اس کا جواب ہمیں حالی کی نعت میں نہیں ملتا، یہی کھاتے میں ایسی باتیں ہوا بھی نہیں کرتیں۔“(۷)

جس طرح مسدسِ حالی کی تخلیق سر سیّد تحریک کا شاخسانہ ہے بعینہٖ مسدسِ حالی کے حسن و قبح پر ناقدین نے کم و بیش اسی زاویۂ نظر سے اظہار کیا جس سے وہ سر سیّد کی تحریک کو دیکھتے تھے ورنہ نعت میں اسوۂ حسنہ کا ذکر ہر دور کی شاعری میں موجود ہے۔ آج بھی نعت میں سیرت النبی ﷺ کا تذکار باعث تعجب ہے نہ موجبِ تنقیص۔

ڈاکٹر عزیز احسن نے واضح الفاظ میں لکھا ہے:

> ”ایک زمانہ حالی کے نعتیہ اشعار کی قبولیت کا گواہ ہے ناقدین ان اشعار پر والہانہ انداز سے تبصرے بھی کر رہے ہیں لیکن محمد حسن عسکری اس انداز کو نبوت کے استخفاف کی کوشش قرار دیتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ عسکری صاحب نے حالی کے طرزِ نعت گوئی پر اس قدر برہمی کا اظہار کیوں کیا؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔۔۔بات دراصل یہ ہے کہ سیّد احمد خاں کی تحریک سے عام مسلمانوں میں بے اطمینانی پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس تحریر سے منسلک ہر شخص اسلامی اقدار کی پاسداری کے حوالے سے شک کی نظر سے

دیکھا جاتا تھا۔ حالی کا قصور یہ تھا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بہتری کے لیے
سر سیّد احمد خان کی تحریک میں شامل ہو گئے۔''(۸)

مسدس کے اختتام پر حالی سے ''عرضِ حال بجناب سرورِ کائنات ﷺ'' کے عنوان سے تاریخی حقائق کو رقم کیا ہے۔ یہ اشعار اور لہجہ اس درد و سوز کی پیداوار ہے جو سر سیّد اور ان کے رفقا کی مساعی میں ہمیشہ کار گر رہا۔ ان اشعار میں اُمتِ مسلمہ کی دینِ اسلام سے روگردانی، معاملات میں عدم توازن، جہالت و بدعت کے فروغ اور اس کے نتائج کا معروضی انداز میں ذکر کرتے ہوئے حالی جب آپ ﷺ کے عفو و ترحم کے طلبگار ہوتے ہیں تو یکدم ان کا لہجہ اپنائیت میں ڈوب جاتا ہے۔

ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمھارے	نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے
گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ تجھ پہ زیادہ	اخبار میں الطالح لی ہم نے سنا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی	ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے
خود جاہ کے طالب ہیں نہ عزّت کے ہیں خواہاں	پر فکر ترے دین کی عزت کی سدا ہے
گر دین کو جوکھوں نہیں ذلت سے ہمارے	اُمت تری ہر حال میں راضی برضا ہے
عزت کی بہت دیکھ لیں دنیا میں بہاریں	اب دیکھ لیں یہ بھی کہ جو ذلت میں مزا ہے
ہاں حالیِ گستاخ نہ بڑھ حدِّ ادب سے	باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلا ہے

ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب
یاں جنبشِ لب خارج از آہنگ خطا ہے(۹)

ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

''موضوع کے اعتبار سے یہ نظم اُردو نعت میں ایک نئے باب کی حیثیت رکھتی ہے، بعد مین آنے والے شعرا خصوصاً علامہ اقبال اور ظفر علی خان کے نعتیہ کلام میں قومی مسائل و مصائب کا جو دلسوز بیان ملتا ہے اس کا آغاز حالی کی اسی نظم سے ہوا۔ اس اعتبار سے اردو نعت میں حالی کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ انھوں نے نعتیہ شاعری کی نئی روایات قائم کیں۔ ان کی حقیقت پسندی، اخلاص و دردمندی اور قومی مسائل کے دلسوز طرزِ اظہار نے فکری و فنی طور پر اردو نعت کے دامن کو وسیع کیا۔''(۱۰)

بحیثیت مجموعی مسدس حالی کے نعتیہ کلام پر اربابِ فکر و نظر کی آراء یہ واضح کرتی

ہیں کہ کس طرح سر سیّد کی تحریک کے لیے ہمہ گیر اثرات حالی کے تخلیقی شخصیت سے منعطف ہو کر صنفِ نعت میں سرایت کر گئے ہیں۔ حالی کے ہاں نعت کی صنف ایک جست میں کئی زینے پار کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ممتاز حسن اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''سرکارِ دوعالم ﷺ کو گیسوؤں والا اور کسی ایسے ہی پیارے نام سے خطاب کر کے جذباتِ عقیدت کی تسکین کی کوشش کرنا اور بات ہے اور حضور ﷺ کی بشر دوستی اور انسان نوازی کی طرف توجہ دلا کر دنیا کو مقصدِ نبوت کی طرف آگاہ کرنا اور بات یہی حالی کی عظمت ہے۔ ان میں عشقِ ذات اور شعورِ صفات دونوں بہ یک وقت موجود ہیں۔''(۱۱)

جب تخلیق کار کسی تحریک سے ذہنی و فکری وابستگی رکھتا ہے تو بالعموم قاری اور ناقد اس کے شعور کو اسی تحریک کے مقاصد کے موافق خیال کرتا ہے اور ذاتی افتادِ طبع کا اثر کم تلاش کرتا ہے۔ یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ فنکار کا تخلیقی ذہن شعوری طور پر مقاصدِ تحریک کے تابع ہے۔ مسدس حالی کا مطالعہ اکثر اسی تناظر میں کیا گیا ہے۔ البتہ حالی کے دیگر نعتیہ کلام میں مروّجہ اور مسلّمہ شعری خصائص بھی موجود ہیں۔

رفقائے سر سیّد میں شبلی کا نام تاریخ اور سیرت و سوانح نگاری میں اہم ہے۔ شاعری میں اگرچہ شبلی کا فارسی کلام نسبتاً زیادہ ہے مگر اُردو میں بھی ان کی نظمیں ''الہلال'' اور دیگر اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں، جو حالاتِ حاضرہ اور معاصر عالمی منظر نامے کے تناظر میں لکھی گئی ہیں۔ شبلی کے مجموعۂ کلام اُردو میں چند نظمیں ایسی ہیں جنھیں بہ اعتبارِ مضامین نعتیہ شاعری کی ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔ نظم ''ہجرتِ نبوی ﷺ''(۱۲) میں حضور ﷺ کی ابو بکر صدیقؓ کے اہمراہ مدینہ روانگی اور وہاں پہنچنے پر لوگوں کے پرجوش استقبال کا ذکر ہے۔ نظم ''تعمیرِ مسجد نبوی ﷺ''(۱۳) میں یہ پیغام دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر کے لیے جو جگہ منتخب فرمائی اسے بغیر قیمت لینا گوارا نہ فرمایا۔ پھر تعمیر مسجد کے کارِ خیر میں انصار و مہاجرین مزدور بن گئے۔ آپ ﷺ بھی ان کے ہمراہ خود اپنے کاندھوں پر سنگ و خشت لاد کر لائے تھے اور سینہ غبارِ خاک سے اٹ جاتا تھا جبکہ آپ ﷺ وجہِ آفرینش افلاک و عرش ہیں اس مختصر نظم سے شاعر کا مقصد اس پیغام ایثار و عمل کی ترسیل ہے کہ عالمِ بے سرو سامانی میں بھی کوئی چیز اہلِ ایمان کو جدوجہد کرنے سے اور شعائرِ اسلام کو

زندہ رکھنے سے روک نہیں سکتی۔ نظم ''ایک خاتون کی آزادانہ گستاخی اور رسول اللہ ﷺ کا حِلم وعفو'' وہ واقعہ ہے کہ جب ابوسفیان کی بیوی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام کے احکامات سے آگاہی چاہی تو آپ ﷺ نے شرک سے بچنے، نبوت کا اقرار کرنے اور اولاد کے قتل سے بچنے کا حکم فرمایا، اس خاتون نے سوال کیا کہ بدر میں میری اولاد کو آپ ﷺ کی جانب سے کیوں قتل کیا گیا تھا؟ اگرچہ یہ بات انصاف سے دُور اور سوءِ ادب تھی لیکن آپ ﷺ نے جواباً کچھ برا سلوک نہ کیا۔ یہاں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں جس پیام کو پھیلانا مقصود ہے وہ آخری شعر میں مذکور ہے:

لیکن آزادیِ افکار تھی از بسکہ پسند
آپؐ نے فرطِ کرم سے اسے رکھا معذور (۱۴)

شبلیؔ کی نظم ''اہلِ بیت رسول ﷺ کی زندگی''(۱۵) اس پیغام کی آئینہ دار ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے سیرت وکردار سے اہلِ بیت کو یہی سکھایا کہ ذاتی معاملات پر جمہور کے معاملات مقدم ہیں۔ صبر وایثار کی یہ تعلیمات اس معاشرے میں بے حد اہم تھیں جس میں شبلی نے انھیں موضوع بنایا۔ نظم ''ایثار کی اعلیٰ ترین مثال''(۱۶) میں انصار کی ایک خاتون کا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ جنگ احد میں آپ ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہونے پر پریشان ہونے والوں میں شامل تھیں۔ انھیں خبر دی گئی کہ ان کے بھائی، والد اور شوہر جنگ میں مارے گئے۔ مگر اس عفیفہ نے کہا کہ اگر حضور ﷺ سلامت ہیں تو سب رنج وغم ہیچ ہے۔ نظم ''مساواتِ اسلام''(۱۷) میں معرکۂ بدر میں عتبہ بن ربیعہ کا واقعہ اور پھر حضرت بلال حبشیؓ کا ایک واقعہ بیان کرکے شبلی نے عہدِ نبوی میں مساوات کے نفاذ کی جو جھلک دکھائی ہے اس میں بلاشبہ اصلاح ہی کا پہلو پیشِ نظر ہے۔ ان مختصر منظومات میں آرائش یا رنگینی بیان پر شاعر کی توجہ نہیں بلکہ مقصدی انداز کارفرما ہے۔ یہ بات عیاں ہے کہ شبلی نے مسلم قوم کی بحالی کے لیے جو اصلاحی مقصد تاریخ وسوانح سے حاصل کیا یہی انداز ان کی ان نظموں میں کارفرما ہے جن کا ذکر کیا گیا۔ اگرچہ سرسید کے رفقا کا زمانہ ترجیحاً اصلاح پسندی کا ہے۔ جو نعتیہ کلام ان کے قلم سے سرزد ہوا اس میں داخلی احساس کم ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اس عہد میں اسوۂ حسنہ کی اجاگری کا جو ذمہ نعت نے اٹھایا، آگے چل کر اسی طرزِ اظہار نے وہ ارتقا اور نکھار پالیا کہ فکر وخیال کے ساتھ حسن وجمال کے سارے رنگ ذکرِ رسول ﷺ میں جھلکنے

لگے۔ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

"ان نظموں میں حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے ان پہلوؤں کا تعلق ہے جو آپ ﷺ کی بشریت اور مکارمِ اخلاق سے متعلق ہیں۔ مولانا شبلی کے اندازِ نعت پر بھی حالی کی مسدس کا اثر نمایاں ہے، پیرویِ مغربی کی جو لہر جدید شاعری کا پیش خیمہ بنی اور اس نے اردو شاعری کو سادگی، حقیقت نگاری اور اصلیت وغیرہ کی جن خصوصیات سے روشناس کیا ان کی جھلک شبلی کی مذکورہ بالا نظموں میں نظر آتی ہے۔ مولانا نے حضور اکرم ﷺ کے معجزات قلم بند کرنے کے بجائے سیرتِ طیبہ کے ان واقعات کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا جن میں آپ ﷺ کے حِلم وعفو، ایثار اور دوسرے اخلاقِ حسنہ کی جھلک ملتی ہے۔"(۱۸)

کسی بھی تحریک کے اثرات کا دائرہ محض تحریک کے رفقا تک محدود نہیں ہوتا۔ افکار و نظریات کسی ایک عہد میں تغیر آشنا ہوتے ہیں تو دیر تک یہ ارتعاش محسوس کیا جاتا ہے بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہیں کہ جو فکر کسی تحریک کی بنیاد ہوتی ہے۔ وقت گزرنے کے بعد ہی اس فکر کے نقوش تجربات کی کٹھالی سے گزر کر واضح ہوتے ہیں اور تحریک کا بُرا بھلا سامنے آتا ہے۔ آل احمد سرور لکھتے ہیں:

"ہندوستانی مسلمانوں کے ذہن پر بیسویں صدی میں سب سے گہرے اثرات امیر علی، ابوالکلام آزاد، نیاز فتحپوری اور اقبال کے پڑے ہیں، چاروں نے سر سیّد سے فیض حاصل کیا۔ چاروں کی سر سیّد تحریک کی روشنی ہی میں سمجھا جا سکتا ہے مگر چاروں کا علی گڑھ تحریک سے کوئی تعلق نہ تھا۔"(۱۹)

ایک اور جگہ انھوں نے لکھا ہے:

"سر سیّد کے اثر سے ایک نئی مشرقیت بھی وجود میں آئی جس کا اظہار شبلی، محمد علی، اقبال، ابوالکلام سبھی میں ہوتا ہے علی گڑھ تحریک صرف پیرِ وفا کی خانقاہ سے عبارت نہیں ہے حسرت جیسے مجاہدین سے بھی عبارت ہے۔"(۲۰)

ڈاکٹر سیّد عابد حسین نے بھی اس رائے کا اظہار کیا ہے:

"تجدّد و اصلاح کی رومانی اعتذاری تحریک کو جو سر سیّد نے شروع کی تھی سیّد امیر علی، مولوی چراغ علی اور شاعرِ اعظم اقبال نے جاری رکھا۔ پہلے دو حضرات

کی تصانیف باوجود اس کے کہ ان میں اسلامی تعلیم زیادہ مرتب اور منظم شکل میں پیش کی گئی ہیں۔ عام ہندوستانی مسلمانوں پر کچھ زیادہ اثر انداز نہیں ہوئیں مگر شاعر ملّت اقبال نے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ افغانستان، ایران اور بعض عرب ملکوں میں بھی مسلمانوں کے قلوب پر گہرا اثر ڈالا۔"(۲۱)

اقبال کو "باقاعدہ" نعت گوؤں کے زمرے میں نہ رکھتے ہوئے بھی ناقدینِ نعت نے اقبال کے مذہبی، سیاسی، عمرانی، تہذیبی افکار میں نعتیہ آہنگ کا جائزہ لیا ہے۔ اقبال کی نعت گوئی اسی بات کا ثبوت ہے کہ ایک نعت گو اپنے ذہنی و فکری میلانات اور عصری معنویت کو سمجھنے اور تخلیقی تجربے کا حصہ بنانے میں کس طرح سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے دائمی سرچشمے سے استفادہ کر سکتا ہے۔ صبیح رحمانی لکھتے ہیں:

"ملّتِ اسلامیہ کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی مسئلے کو جس طرح اقبال نے اپنی شاعری میں فکر کی اعلیٰ سطح پر بیان کیا۔ اس کی سب سے بلیغ اور اثر انگیز صورت ہمیں ان کے یہاں اس وقت ملتی ہے جب وہ اسے نعتیہ آہنگ میں پیش کرتے ہیں۔ اس مرحلے پر اقبال کی نعت بیک وقت دو معنوی جہتیں پیدا کرتی ہے ایک عقیدت و محبت کی اور دوسری دادرسی و شفاعت کی۔"(۲۲)

اقبال کی نعتیہ شاعری میں یہ رنگ حالی کی "مسدس" اور "عرضِ حال" کی جھلک دکھاتا ہے۔ علی گڑھ تحریک نے فکری طور پر اُمتِ مسلمہ کو حریت اور انقلاب کا داعی بنانے کی سعی کی تھی اقبال نے ان سب عوامل کا ذکر تعلیماتِ نبوی کے تناظر میں کیا۔ یوں نعت گوئی کو ایک بلند آدرش اور وسعت عطا ہوئی۔ ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں:

"قیاس چاہتا ہے اور قرائن بتاتے ہیں کہ اقبال کی نعت کے زندگی آموز اور زندگی افروز اسلوب میں میں "حالیِ گستاخ" کے اندازِ مدحتِ رسولؐ کا بھی یقیناً حصہ ہے۔ گو اس کے تار و پود میں اس نے اپنی شخصیت کا فراواں روپ رس اور سوز و گداز بھی شامل کیا ہے۔"(۲۳)

کلامِ اقبال سے درج ذیل مثالیں ملاحظہ ہوں:

اے بادِ صبا کملی والےؐ سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی (۲۴)

تُو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایمان ہے زناری (۲۵)

شیرازہ ہوا ملّتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیاباں سے حُدی خوان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ!
آیاتِ الٰہی کا نگہباں کدھر جائے (۲۶)

سر سیّد کی تحریک جس علمی اندازِ نظر اور جمہوریت کو فروغ دینے کی متمنی تھی۔ اقبال کے ہاں اس کے ابعاد مقامی نہیں بلکہ بحیثیت کُل تمام عالمِ اسلام کو محیط ہیں۔ اقبال کی بلند پایہ تخلیقی شخصیت کو کسی بھی نظامِ فکر کا مقلد محض قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ابتداً اقبال کا تخلیقی شعور اس عصری منظر نامے سے لازماً متاثر ہوا جس میں علی گڑھ تحریک نے تحرّک برپا کر رکھا تھا۔ یوں بھی سر سیّد کی شخصیت اقبال کے لیے معتبر تھی۔ اقبال کے ایک خط سے اقتباس دیکھیے جس سے کئی نکتے واضح ہو رہے ہیں اور یہ احساس ہو رہا ہے کہ یہ دونوں ہمدردانِ ملّت نبیِ کریم ﷺ کی ذات ہی کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں:

"۳؍ اپریل (۱۹۳۶ء) کی رات ۳ بجے کے قریب (میں اُس شب بھوپال میں تھا) میں نے سر سیّد علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھتے ہیں تم کب سے بیمار ہو؟ میں نے عرض کیا دو سال سے اوپر مدت گزر گئی۔ فرمایا، حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں عرض کرو۔ میری آنکھ اسی وقت کھل گئی اور اس عرضداشت کے چند شعر جو اب طویل ہو گئی ہے، میری زبان پر جاری ہو گئے۔" (۲۷)

اقبال کی نعت گوئی کو جدید تر مناصب کی آئینہ دار قرار دیتے ہوئے ہم اسے سر سید

کی تحریک اور اس کے اثرات و عواقب سے مبرّا قرار نہیں دے سکتے۔ ادبی اعتبار سے سر سیّد اور ان کی تحریک کا یہ اثر محض افکار و خیالات پر نہیں بلکہ لہجہ و آہنگ پر بھی برابر دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے بھی غدر کے بعد مذہبی علمی، ادبی میلانات کے سلسلے میں سر سیّد اور ان کے ہم خیالوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بیسویں صدی میں اسی تحریک نے اقبال، ظفر علی خان، ابوالکلام آزاد اور بعض دوسرے اکابر پیدا کیے جن کے ہاں خطابت کا لہجہ قوی اور آواز کا گھمبیر پن نمایاں تھا۔"(۲۸)

سر سیّد اور اقبال کے فکری آہنگ میں ایک اہم فرق یہ ہے کہ اقبال تہذیبِ اسلامی کو بلا شرکتِ غیرے اولین ترجیح سمجھتے ہیں جبکہ سر سید جلوۂ دانشِ فرنگ کے منکر معلوم نہیں ہوتے۔

سر سیّد تحریک کے فکری اثرات مسلمانانِ برصغیر کے تخلیقی تصور میں تادیر اثر پذیر رہے۔ حالی و اقبال کے بعد ظفر علی خان کی نعت گوئی بھی عصریت کے تناظر میں قومی و ملی رنگ لیے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

"مولانا ظفر علی خان کی نعت میں حالی و اقبال کی ملّی و قومی لہر ایک منفرد شان سے جلوہ گر ہوئی ہے۔ برصغیر کی معاصر قومی ادبی اور سیاسی تحریکوں کا تفصیلی منظر نامہ ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔"(۲۹)

ملّت کا نوحہ، ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری کا واحد آہنگ نہیں بلکہ ان کے ہاں خالصتاً مدح کے مضامین زبان و شعر کی خوبیوں کے ساتھ موجود ہیں۔ جذبۂ عشق رسول ﷺ کے تحت وہ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے فیوض و انسان اور کائنات کی تاریخ میں جاری و ساری دیکھتے ہیں۔ بالخصوص تشبیہات و تلمیحات میں اسلامی تاریخ کا گہرا شعور کار فرما نظر آتا ہے۔ جن قومی و ملّی عناصر کا ذکر ہوا وہ زیادہ تر ان منظومات میں ہیں جو استغاثے پر مبنی ہیں۔ ایسی منظومات میں احساس دردمندی اور کہیں کہیں بے بسی اور تلخی کا رنگ ہے۔ مثلاً:

سر چھپانے کا ٹھکانا بھی انھیں ملتا نہیں
جن کی ہیبت لے چکی ہے ایک عالم سے خراج

تیرے بچے ہو رہے ہیں ساری دنیا میں ذلیل
کیا نہیں اے قبلۂ عالم تجھے بچوں کی لاج(۳۰)

ظفر علی خان کے نعتیہ کلام میں جہاں آنحضور ﷺ سے استمداد کا مضمون شامل ہے وہاں وہ مسلمان قوم کی بے اعتدالیوں کا اعتراف کرتے ہوئے یہ اعلان بھی کرتے ہیں کہ اُمت مسلمہ خود اپنے زوال کی ذمہ دار ہے اور آئندہ بھی اسی صورت حال میں اُمت کو عروج نصیب ہو گا۔ جب وہ تعلیماتِ نبوی پر کاربند ہو گی۔

چھوڑ دی ہے جب سے لیکن ملتِ بیضا کی راہ
ہم مسلماں ہو گئے دنیا کی قوموں میں ذلیل
ہم کو آج آنکھیں دکھاتے ہیں ہمارے ریزہ چیں
بن گئے شہباز کل تک جن کو ہم سمجھے تھے چیل

گر شرافت اور نجابت کا ہو معیار اتّقا
ہم مسلمانوں میں کم ہیں جو نہ نکلیں گے رذیل

تکیہ جس طاقت پہ ہم کو ہے وہ ہے تیری دعا
جو کہ ہے مقبولِ درگاہِ خداوندِ جلیل(۳۱)

ظفرؔ کی کئی نظموں میں ابتدا ایسے اشعار سے ہے جن میں آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو ایک اُمتی کا بھرپور خراج محبت اور خلائق میں آپ ﷺ کی عالی مرتبی کا بلند آہنگ اظہار ہوتا ہے۔ پھر گویا شاعر کا یہ قصیدہ مدح سے حسنِ طلب کی طرف آتا ہے اور محبت کی لَے میں سوزِ ملّت کی آمیزش ہونے لگتی ہے۔ مسلمانوں کی زبوں حالی کی تصویر کشی میں وہ سبھی شعبہ ہائے زندگی کا شعور رکھتے ہیں اور عصری منظرنامے کی من و عن عکاسی کرتے ہوئے بارگاہِ سرورِ کائنات میں فریاد کرتے ہیں:

مرکزِ ثقل سے ستون شرعِ مبیں کا ہٹ گیا
خطرہ میں آ کے پڑ گیا دینِ قویم کا ثبات
ایک طرف ہیں ذات کی زہر بھری عداوتیں
ایک طرف ہیں نسل کے قہر بھرے تعصبات
حکمت و علم کا مطب دینے لگا مریض کو
بے خبری و جہل کے بوقلموں مرکبات
عالمِ دین فروش نے صوفی مکر کوش نے
دامِ ریا بچھا لیا ، اوڑھ کے دلقِ سیئات
سب سے زیادہ مستحق تیری توجہات کے
ہم ہیں کہ ہم پر آپڑی سارے جہاں کی مشکلات (۳۲)

ایسی نظمیں جن کے عنوانات نعتیہ نہیں بلکہ اسلام سے متعلق دیگر موضوعات پر اظہار خیال لیا گیا ان نظموں میں بھی شاعر کا یہ مطمح نظر نمایاں ہے کہ اُمت کی فلاح افکارِ محمدی کو اپنانے میں ہے اور آنحضور ﷺ سے نسبت ہی اس قوم کی بقا کا سبب ہے۔ اردو نعت میں استغاثہ کی روایت کے بانیوں میں حالی و ظفر کے نام شامل ہیں مگر ظفر علی خان کے بعض اشعار میں آنحضور ﷺ کی جانب جو طرزِ تخاطب برتا گیا، ناقدینِ نعت اس پر معترض ہوئے اس تفصیل کا یہ محل نہیں یہاں موضوعِ گفتگو وہ فکری رویے ہیں جن کا سرچشمہ سرسیّد کی تحریک کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

سرسیّد احمد خان نے مسلمانانِ ہند کی بحالی کے لیے جس فکری جہاد کی ابتداء کی اس کا رُخ زمینی حقائق کی سمت زیادہ رہا۔ جس کا سبب یہ تھا کہ قوم کو حالات کے فوری حل کی تلاش تھی اور سامنے کے مسائل سے فوری طور پر نمٹنے کے لیے سرسیّد نے جو عملی راہیں تجویز کیں ان میں مغربی عقلیت کے اثر سے، روحانیت کا پہلو پس پشت رہا۔ دین و دنیا کو ساتھ لے کر چلنے کے لیے سرسیّد جن ترجیحات کے قائل تھے۔ ان کے سامعین فی الفور اس فکری اُپج کے حامل نہ تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی بے روح مذہبی مشق کو حالی بھی سرسیّد کے انداز میں دیکھتے ہیں:

قربِ حق کے لیے کچھ سوزِ نہاں بھی ہے ضرور
خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے ، بھلا اے زاہد
جال جب تک کہ ہے پھیلا ہوا دینداری کا
فکرِ دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد![۳۳]

قومی دردمندی کے اس جذبے کا روحانی زاویہ سرسیّد کے تابعین کی نعت گوئی کی صورت میں سامنے آیا گویا سرسیّد کے سماجی اقدامات اور مساعی نے موجودات کے منطقی تجزیے پر اکتفا کیا تو حالی، اقبال اور ظفر نے فکری نشاۃِ ثانیہ کا مابعد الطبعیاتی پہلو اجاگر کیا اور ملّت اسلامیہ کو باور کرایا کہ اس منبع ہدایت سے رجوع کرنا اُمت کے مسائل کا اوّلین حل ہے، افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''علی گڑھ تحریک نے حالی کی شاعری کا رُخ موڑا تھا مسدسِ حالی نے خود اس تحریک کا رُخ قبلۂ مغرب سے مغربِ قبلہ کی طرف موڑ دیا۔ اس سے پہلے تحریک کا مطمحِ نظر انگریزی اور انگریزیت کے سوا اور کیا تھا؟ لیکن مسدس کا شاعر جب اپنی خودی میں ڈوب کر اُبھرا تو یہ حقیقت اس پر منکشف ہو چکی تھی کہ قوم کی اصلاح و ترقی کے لیے مغرب کی اندھی تقلید درکار نہیں۔ اسلام کی ابدی تعلیمات اور تہذیبی اقدار ماضی کی طرح آج بھی ہماری ملّی بقا و ارتقا کی ضامن ہیں۔ پہلے دانایانِ فرنگ کے حوالے سے جدید علوم کی تبلیغ کرنے والوں پر کفر کے فتوے لگتے تھے۔ لیکن حالی نے جب تاریخِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے حوالے سے کہا:

ہر اک میکدے سے بھرا جا کے ساغر
ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثلِ پروانہ ہر روشنی پر
گرہ میں لیا باندھ حکمِ پیغمبرؐ
کہ ''حکمت کو اک گمشدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو''

تو پوری قوم نے یہ محسوس کیا گویا ایک بھولا ہوا سبق یاد دلایا گیا ہے۔‘‘(۳۴)

سر سیّد تحریک کا مذہب کی طرف ’’معذرت خواہانہ رویہ‘‘ ہر گز اس بات کی علامت نہیں کہ سر سیّد شخصی طور پر مذہب بیزار یا مذہب کی اہمیت سے نابلد انسان تھے۔ دراصل انھوں نے علومِ عقلی سے مذہب کی تعبیر کے جس اہم پہلو کی طرف توجہ دلائی یہ دراصل دوررس اثرات کا حامل اقدام تھا۔ مگر اس ہنگامی صورتحال میں لوگوں پر اس کی افادیت واضح نہ ہو سکتی تھی۔ بالخصوص عوام کے لیے اس وقت ترجیحات اور تھیں۔ مسائل اور تھے۔ یہاں ان باتوں کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ بہر حال نعت کا سرچشمہ مذہب اور مذہبی رویہ ہے۔

اکبر الٰہ آبادی اس ضمن میں سر سیّد سے اختلاف کی ایک موئثر آواز ہیں۔ سر سیّد تحریک کی ترجیحات میں مذہبی و ملّی اقدار کی علمبر دار کم ہی تھی نہ صرف اکبر کی عمومی شاعری اس کی طناز ہے بلکہ نعتیہ کلام میں بھی اکبر اس پہلو کو فراموش نہیں کرتے۔ ایک ترجیع بند سے یہ مثال دیکھیے:

حالتِ ملک و قوم پر ہوں شب و روز بے قرار
دین سے دل کو پھیر دیں ایسے سبب ہیں بے شمار
مرکزِ طبع کیا بنے جس سے ہو کم یہ انتشار
آئی صدا فلک سے یہ پڑھ تو اسی کو بار بار
صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

رہنے دے آسمان اگر تجھ سے ہے برسرِ جفا
ہو نہ ملول تجھ سے ہے دولتِ جاہ اگر خفا
مسلکِ مستند یہ ہے چھوڑ نہ تو رہِ صفا
نسخۂ حفظِ دیں یہ ہے ، ہے یہی ٹھیک فلسفہ
صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ(۳۵)

ڈاکٹر انور سدید کے بقول علی گڑھ تحریک کے کمزور پہلو بھی جاندار تھے جو مستقبل پر اثر انداز ہوئے(۳۶) لیکن بہر حال اس تحریک کے مثبت پہلو ناقابلِ فراموش ہیں، سر سید اپنی

ذات میں ایک مکتبِ فکر تھے۔ ان کے فیضان سے آئندہ نسل میں بھی ادب کو ایسے صاحبانِ فکر میسر آئے جن کا فرمایا ہوا مستند ہے۔ نعت کے ضمن میں رشید احمد صدیقی کے تنقیدی نظریات کا ذکر یہاں ضروری ہے۔ حمید لکھنوی کے نعتیہ مجموعے گلبانگِ حرم کی تقریظ میں رشید صاحب نے معیارِ نعت کے لیے کڑی شرائط کا اظہار کیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نعت میں سرکارِ دوعالم ﷺ سے رسمی یا مذہبی نہیں بلکہ شخصی عقیدت کا اظہار، غیر معیاری نعتیہ شاعری کو سراہا نہ جائے، نعت میں صناعی اور تخیل کی رعنائی کافی نہیں، روح کی وارفتگی اور شغف ضروری ہے رسالت مآب ﷺ سے یہ شخصی والہانہ عقیدت ہی پر اقبال کے کلام کے وزن و وقار کا انحصار ہے۔۔۔ مزید لکھتے ہیں:

> ”نعتیہ کلام کی محرومی یہ رہی کہ ہمارے بیشتر شعرا نے اسے ایک مقدس رسم سمجھ کر اختیار کیا اور سننے والوں نے ثواب کی خاطر آہ یا واہ کر لی۔ اس طرح کے کلام، اس طرح کے شعراء اور اس طرح کے مقاصد نے مل جل کر نعت کو شریفوں یا شاعروں کا شیوہ نہیں بلکہ مراثیوں کا پیشہ بنا دیا ہے۔“(۳۷)

آدابِ نعت کے حوالے سے رشید احمد صدیقی کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

> ”جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور مذہب کی تعبیر و تلقین معمولی درجہ کے اشخاص کے ہاتھوں میں آتی گئی، نعت گوئی بھی معمولی درجے کے شعرا کے حصے میں آئی۔ جنھوں نے اس کو کھانے کمانے کا وسیلہ بنایا اور صرف کارِ ثواب جانا، انہوں نے شاعری کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا۔ ان میں ان کو پورا کرنے کی صلاحیت نہ تھی، اس صنفِ کلام کے حسن اور عظمت کو حالی اور اقبال نے خاص طور پر پہچانا اور اسے اتنا مشکل اور بلند کر دیا کہ آبروئے شیوۂ اہلِ ہنر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔ یہ عشقِ رسولؐ ہی کا فیضان ہے کہ حالی اور اقبال نے اپنے کلام سے اُردو کے بیشتر اصنافِ سخن کی جن میں غزل کافی بدنام تھی اس طرح تہذیب و تطہیر کی اور اسے نئی جہت اور نئے جہان بخشے کہ اردو زبان اور شاعری کی وقعت مدتِ دراز کے لیے متعین ہو گئی۔ عشقِ رسولؐ آئینِ ملّت ہی نہیں، تعبیرِ انسانیت بھی ہے۔“(۳۸)

مستحکم ادبی تحریک کے منشور کا اظہار محض اس تحریک کے رفقا کی تخلیقات ہی میں

موجود نہیں ہوتا۔ جو اس مخصوص عہد میں سامنے آئی ہوں بلکہ فکر کا یہ تسلسل نہ صرف جاری رہتا ہے بلکہ اس کی وسعت پذیری اور اثر انگیزی بڑھتی جاتی ہے۔ علی گڑھ سے وابستہ شعرا وادبا کا تنقیدی شعور بھی آئندہ زمانے پر اثر انداز ہوا اور دیگر اصناف کی طرح نعت گوئی کو بھی ان اثرات سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حوالہ جات

۱ - ڈاکٹر سیّد عابد حسین، عالم اسلام میں تجدّد کی تحریکیں، اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج سوسائٹی، جامعہ نگر، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص:۳۳

۲ - اسماعیل پانی پتی (مرتب)، مقالاتِ سر سیّد، حصہ دہم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص:۳۶

۳ - ایضاً، ص:۴۶

۴ - مسدسِ حالی (صدی ایڈیشن)، حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۳۵ء، ص:۸

۵ - ایضاً، ص:۱۸

۶ - ایضاً، ص:۲۱

۷ - حسن عسکری، مجموعہ حسن عسکری، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۴۱۰

۸ - ڈاکٹر عزیز احسن، مضمون ''حالی اور حسن عسکری''، مشمولہ: نعت رنگ، شمارہ ۳۰، نومبر ۲۰۲۰ء، ص:۱۹۶

۹ - مسدس حالی (صدی ایڈیشن)، ص:۱۳۴

۱۰ - ڈاکٹر ریاض مجید، اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص:۴۹۶

۱۱ - ممتاز حسن، مضمون ''نعت کے فکری زاویے''، مشمولہ: اردو نعت کی شعری روایت، مرتبہ: صبیح رحمانی، اکادمی بازیافت، ۲۰۱۶ء، ص:۳۲۱

۱۲ - ظفر الملک علوی (مرتب)، مجموعہ کلام شبلی، الناظر پریس لکھنؤ، ۱۹۱۹ء، ص:۳۵

۱۳ - ایضاً، ص:۳۸

۱۴ - ایضاً، ص:۳۹

۱۵ - ایضاً، ص:۴۰

۱۶ - ایضاً، ص:۴۱

۱۷ - ایضاً، ص:۴۲
۱۸ - ڈاکٹر ریاض مجید، اردو میں نعت گوئی، ص:۴۰۷
۱۹ - آل احمد سرور، مجموعہ تنقید، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ص:۹۵۲
۲۰ - ایضاً، ص:۹۷۱
۲۱ - ڈاکٹر سیّد عابد حسین، عالم اسلام میں تجدد کی تحریکیں، ص:۳۹
۲۲ - صبیح رحمانی (مرتب)، اقبال کی نعت: فکری و اسلوبیاتی مطالعہ، اکادمی بازیافت، ۲۰۱۸ء، ص:۱۸
۲۳ - ایضاً، ص:۱۹۳
۲۴ - ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (بانگِ درا)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص:۲۷۷
۲۵ - ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (بالِ بریل)، ص:۳۸
۲۶ - ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (ضربِ کلیم)، ص:۴۸
۲۷ - ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، اقبال کی نعت، ص:۴۶
۲۸ - ڈاکٹر وزیر آغا، اُردو شاعری کا مزاج، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم ۲۰۱۶ء، ص:۲۴۱
۲۹ - ڈاکٹر ریاض مجید، اُردو میں نعت گوئی، ص:۴۳۵
۳۰ - مولانا ظفر علی خان، کلیاتِ مولانا ظفر علی خان (بہارستان)، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۲۳
۳۱ - ایضاً، ص:۲۷
۳۲ - ایضاً، ص:۲۹
۳۳ - دیوانِ حالی، کشمیر کتاب گھر، اُردو بازار، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص:۶۱
۳۴ - کلیاتِ نظم حالی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص:۶۱، ۶۲
۳۵ - کلیاتِ اکبر الہ آبادی، جلد دوم، مرتبہ: رانا خضر سلطان، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص:۴۱۵

۳۶ - ڈاکٹر انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں، ص:۳۴۸

۳۷ - رشید احمد صدیقی، تقریظ ”گلبانگ حرم“، از حمید لکھنوی، نامی پریس، لکھنؤ، ۱۳۸۴ھ، ص:۲۴

۳۸ - بحوالہ صبیح رحمانی (مرتب)، اُردو نعت کی شعری روایت، ص:۵۹۴

باب دوم

اُردو نعت اور رومانی تحریک

اُردو نعت اور رومانی تحریک

انیسویں صدی کے تہذیبی نظام نے جہاں مادیت اور عقلیت کی راہ ہموار کی، وہیں رومانی ردِّ عمل بھی سامنے آیا جس کے تحت ادب میں اجتماع کے بجائے فرد کے داخل پر توجہ کی گئی۔ منطق کے بجائے وجدان کے ذریعے صداقت کی تلاش رومانیت کا ایک عنصر ہے۔ تخیل کی قوت سے شعرا نے نہ صرف تصورات وخیالات کو نئی نہج عطا کی بلکہ ہیئت اور زبان کا ڈھانچہ بھی تبدیل کیا چونکہ اردو ادب پر علی گڑھ تحریک کی مقصدیت اور عقلیت کے اثرات برِ صغیر میں ہر طرف وقوع پذیر ہو رہے تھے لہٰذا اس کا ردِّ عمل بھی کسی مخصوص مقام یا اشخاص تک محدود نہ تھا۔

رومانی شعراء کے پیشِ نظر قومی و اصلاحی مقاصد نہ تھے بلکہ مغربی ادب کے براہِ راست مطالعے کی بدولت وہ اپنی ذات اور انفرادیت کی طرف متوجہ ہوئے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں رسالہ ''مخزن'' کا اجرا ہوا تو اس سے وابستہ بیشتر شعرا کا فن رومانیت کا عکاس تھا۔ اقبال ان میں سب سے اہم ہیں۔ اقبال کے شعری مزاج میں جو رومانی زاویے شامل ہیں۔ ان میں جمالِ فطرت سے لگاؤ، شکوہِ ماضی کی بازیافت کا جذبہ، مثالی کرداروں کی تشکیل شامل ہے مگر اقبال کی شعری فکر اس نظریۂ شعر سے مختلف ہے جسے رومانی تحریک نے قصداً اپنایا۔ اس لیے اقبال کے ہاں نعتیہ شاعری استغاثہ اور دردِ ملّت کے عناصر رکھتی ہے۔ رومانی تحریک کے علمبرداروں میں اختر شیرانی اور عظمت اللہ خان کے نام شامل ہیں۔ کلیات میں اختر شیرانی کی ایک ریڈیائی تقریر کو ''میرا نظریۂ شعر'' کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے جس کا ذکر یہاں بے محل نہ ہو گا کیونکہ اس اقتباس سے رومانی تحریک کے بنیادی مزاج کی عکاسی ہوتی ہے۔ جس کے مطابق شاعر کا کام زندگی کے حسن کو خود دیکھنا اور دوسروں کو دکھانا ہے۔ زندگی کے ناسوروں کے علاج کی کوشش کرنا اس کا کام نہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''شاعری افراد اور اقوام کے لیے ایک لطیف اور لذیذ غذا تو بن سکتی ہے جو ان کے ذائقے کی تشفی کرے اور اس کی عمدگی کو برقرار رکھے لیکن اس سے بیمار اور بوڑھی قوموں کے لیے معجونِ شباب آور کا کام لینا میرے نزدیک بڑی زیادتی

ہے۔ ترقی پسندی کی تحریک کو جس قدر بھی فروغ اب تک حاصل ہوا ہے۔ اس کا باعث اس کے بنیادی تصوّر کی دلکشی نہیں بلکہ اس کے لیبل کی دلکشی ہے۔ اس کے لیبل کو دیکھ کر ذہن سب سے پہلے ترقی پسندوں کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ میرے نزدیک شاعر کے لیے کسی سیاسی یا اقتصادی نظام سے وابستہ کرنا ضروری نہیں وہ نظام سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت، جمہوریت ہو یا فاشیت، شاعر کے لیے ان میں سے ایک بھی قابلِ توجہ نہیں، شاعر کی قدریں ان سب سے الگ اور آزاد ہیں۔ ''(۱)

صنفِ نعت کو ادب کے مجموعی دھارے سے جُدا نہ کر کے دیکھنے کا رویہ یہ بات کہلواتا ہے کہ ان شعرا کا تخلیق کردہ نعتیہ ادب بھی جمالیاتی قدروں ہی کا غماز ہو گا۔ اختر شیرانی کے نعتیہ کلام کا انداز دیکھیے:

لٹائے سجدے نہ کیوں آسمان مدینے میں
رسولِ پاکؐ کا ہے آستاں مدینے میں
قدم بڑھائے چلو رہروانِ منزلِ شوق
ہے ابرِ رحمتِ حق گلفشاں مدینے میں
درِ رسولؐ کے ذرّوں کی گر نہیں ہے تلاش
تو کس کو ڈھونڈتی ہے کہکشاں مدینے میں (۲)

رومانی تحریک میں عظمت اللہ خان، غزل کی مخالفت اور نظم میں عروضی تجربات کے حوالے سے معروف ہیں مگر ان کی نظمیں نعتیہ کلام سے خالی ہیں رومانی تحریک کی تین صورتوں کے متعلق ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

''رومانوی تحریک کے علمبرداروں میں اختر شیرانی اور عظمت اللہ کے نام شامل ہیں۔ نیم رومانی تحریک براہِ راست اقبال سے متاثر ہے اور اس میں جوش ملیح آبادی اور حفیظ جالندھری کے علاوہ ترقی پسند تحریک کے بیشتر شعرا کو شامل کیا جا سکتا ہے اور داخلی تحریک میرا جی اور اس کے معاصرین سے لے کر جدید علامت پسند شعرا تک پھیلتی چلی گئی ہے۔ ''(۳)

حفیظ جالندھری کے کلیات میں نعتیہ موضوعات پر مبنی نظموں میں بھرپور رومانی

اسلوب کے نمونے ملتے ہیں، نظم ''مدینے کے مسافر'' کا آغاز دیکھیے:

فسُوں باطل ہُوا شب کے طلسماتی نظاروں کا
سحر کے جاگتے ہی لَد گیا ڈیرا ستاروں کا
بیاباں کے عظیم الشان منظر سے اُٹھے پردے
کہ جیسے دل میں کوئی اک نظر سے معرفت بھر دے (۴)

سحر کے خوبصورت منظر کے بعد صحرا میں آنے والی حدّت اور تمازت کو یاد دلا کر شاعر جلد کوچ کر جانے کی تاکید کرتا ہے۔ ظاہراً کسی قافلے کی روانگی کا ذکر نہیں بلکہ ملت کے جمود کا غم اور ملّت کو درپیش حالات کی سنگینی سے بچنے کا ایک لائحہ عمل ہے۔ ''ہوا کی گرمیاں'' اور ''بادِ سموم کا قہر'' انھی حالات کے علائم ہیں۔ شاعر پیغام دیتا ہے کہ دھوپ کے بڑھنے سے پہلے تمام مسافر یہاں سے کوچ کر جائیں کہ ان حالات میں قیام کا انجام خطرناک ہو گا۔ شاعر مظاہرِ فطرت کے علائم کے ذریعے سمجھاتا ہے کہ دھوپ چڑھنے پر جو قافلے سے پیچھے رہ جانے والے ہوں گے وہ شدید حرارت کی تاب نہ لا سکیں گے۔ یہ وہ منزل ہے جہاں پانی کی دستیابی اور راستے کی تلاش مشکل ہے۔ یہ دنیا بھی شاعر کو صحرا ہی کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اس دنیا کا منظر نامہ بیان کر کے شاعر تحریک پیدا کرتا ہے کہ راحت کے حصول کے لیے مدینے تک پہنچنے کا عزم کیا جائے۔ یعنی اس منشورِ زندگی کو اپنا لیا جائے جس سے مواخاتِ مدینہ مستنیر ہے۔ جس سے تہذیب و تمدن، حکومت اور معاشرت نے جِلا پائی۔

ابھی دنیائے انساں ایک صحرا کے سوا کیا ہے
ابھی چاروں طرف دورِ ہلاکت کار فرما ہے
ابھی ہیں شعلہ ہائے آتشیں جذباتِ نفسانی
ابھی جنات ہی کے روپ میں ہے نوعِ انسانی
اُٹھو کیا سوچ ہے کیوں عازمِ منزل نہیں ہوتے
مدینے کے مسافر اس قدر کاہل نہیں ہوتے
مدینے تک پہنچ جاؤ تو پھر راحت ہی راحت ہے
یہ دنیا ایک صحرا ہے مدینہ باغِ جنت ہے (۵)

نظم ''عید میلادالنبیؐ'' میں آپ ﷺ کی آمد سے قبل زندگی کی افسردگی اور بے کیفی کو رومان پرور اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ خوبصورت تمثیل اور محاکات کے ذریعے آپ ﷺ کی ولادت کے بعد دنیا کا بدلا ہوا منظر دکھایا گیا ہے۔ یہاں بھی فطری مناظر کے ذریعے احساسات کا بیان ایک رومانی طرزِ احساس ہے۔ پُر جلال اور ثقیل مرکبات و تشبیہات کے بجائے اس روانی اور لطافت سے احساسِ سرخوشی کا بیان یقیناً اردو نعت میں رومانی شعرا کی دَین ہے۔

غُل ہُوا دنیا میں ختمِ مرسلیں پیدا ہوا
مخزنِ اسرارِ قدرت کا امیں پیدا ہُوا
کشتیِ ارض و سما کا ناخدا پیدا ہُوا
ابتدا و انتہا کا پیشوا پیدا ہوا
فرش پر روح الامیں آنے لگے جانے لگے
طائرانِ قدس نغمے نعت کے گانے لگے
دھیمے دھیمے رس بھرے نغمے ہوا میں بس گئے
میٹھے میٹھے گیت حوروں کے فضا میں بس گئے
بس گیا آ کر فضا میں لشکرِ نورانیاں
اور پیشِ نُورِ مطلق جھک گئیں پیشانیاں(۶)

نظم ''گلشنِ جنّت'' میں بیشتر اشعار ملکِ عرب کی ارضی و جغرافیائی صورتحال پر ہیں۔ یہاں بھی طبعی خدوخال کے تفصیلی ذکر سے واضح ہے کہ شاعر کو مناظرِ فطرت کی عکاسی کا لپکا ہے۔

اک صحرا جس کے سینے پر آتش کے شرارے پھرتے ہیں
اک ویرانہ جس میں سنّاٹے مارے مارے پھرتے ہیں
اک رقص کدہ خاموشی کا اک عشرت گاہ بگولوں کی
سنسان بیاباں جس میں فوجیں آسودہ ہیں غولوں کی(۷)

آخر میں شاعر بتاتا ہے کہ اس ملک کے اس محل وقوع میں حق نے گلشنِ جنّت یعنی مدینہ کو چھپا رکھا ہے گویا شاعر کا مقصد مدینہ کے اختصاص کو واضح کرنا ہے، صحرائے عرب

میں اس گوشۂ جنّت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ حضرت محمد ﷺ کا شہر ہے، ملکِ عرب کو یہ اعزاز آپ ﷺ کی بدولت حاصل ہوا کہ اس کی تمازت نے ظلمتوں کو جلا دیا۔ حفیظ جالندھری کی ایک نظم نصابی کتب میں ''ادائے فرض'' کے عنوان سے ملتی ہے کلیاتِ حفیظ میں اس نظم کا عنوان ''سبز گنبد سے اک صدا آئی'' درج ہے۔ اس عنوان کے تناظر میں دیکھیے تو نظم کا سیاق ہی بدل جاتا ہے۔ یہاں شاعر آپ ﷺ کی ان تعلیمات کا مبلغ بن جاتا ہے کہ اہلِ زمین کی بقا توکل الی اللہ اور ادائے فرض میں ہے۔ انسان کا مقصدِ زندگی یہ ہونا چاہیے کہ وہ دوسروں کا درد مند، نیک نیت، باکردار اور بے لوث ہو۔ دنیا و آخرت کی زندگی میں اتحادِ باہمی ہی سے فلاح نصیب ہو سکتی ہے۔ تفرقہ و تعصب سے مبرّا ہو کر دانش و استقلال کے ساتھ وطن کی آبرو کے لیے کوشاں رہے۔

حیاتِ دو جہاں کی راہ پر رواں ہے قافلہ
تو قافلے کے ساتھ رہ اسی میں ہے تری بقا

اسی میں ہے تری بقا
قدم ملا کے چل

جو ساتھ ساتھ چل رہے ہیں تیرے ہم طریق ہیں
جدا نہ ان سے رکھ قدم یہی ترے رفیق ہیں

یہی ترے رفیق ہیں
قدم ملا کے چل(۸)

ان افکار میں وہی اثر پذیری جھلکتی ہے جو ڈاکٹر وزیر آغا کے بقول رومانی تحریک نے اقبال کی شاعری سے حاصل کی۔ حفیظ خود بھی اس اثر پذیری کے منکر نہیں۔ ایک نظم سے مثال دیکھیے:

طالبِ حق پر ہے لازم اتباعِ مصطفیٰؐ
آج مخبر اس نشانِ راہ کا اقبال ہے
ذہنِ انسانی پہ قرآنی اثر اقبال ہے
باعثِ ہم رنگیٔ قلب و نظر اقبال ہے

رحمت اللعالمیں کے فیضِ نسبت سے حفیظؔ
میں بھی ہوں راہی مرا بھی راہبر اقبال ہے(۹)

جوش ملیح آبادی کے نعتیہ کلام میں کہیں آبجو کی نرم روی اور کہیں سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرانے کا شور، دونوں ہی طرح کی رنگ آمیزی ہے۔ نظم ''شمعِ ہدایت'' میں سیرت کا بیان اسی انداز سے ہے۔

اے کہ ترے بیان میں نغمۂ صلح و آشتی
اے کہ ترے سکوت میں خندۂ بندہ پروری
چھین لیں تو نے مجلس شرک وخودی سے گرمیاں
ڈال دی تو نے پیکرِ لات و ہبل میں تھرتھری(۱۰)

نظم میں قصیدے کی سی مضمون آفرینی اور نادر خیالات ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جانی پہچانی تشبیہات کا بیان نادر اور انوکھا ہے۔

زمزمہ تیرے ساز کا لحنِ بلالِ حق نوا
صاعقہ تیرے ابر کا لرزشِ روحِ بوذری
آئینہ تیرے خُلق کا طبعِ حَسَن کی سادگی
جذبہ ترے عروج کا آل عبا کی برتری
جھلکیاں تیرے ناز کی جنبشِ کاکلِ حُسین
رنگ ترے نیاز کا گردشِ چشم جعفری(۱۱)

نظم کے آخر میں استغاثہ کے اشعار ہیں مگر ان میں عجز و دردمندی کا وہ رنگ نہیں جو حالی و اقبال کے ہاں ہے۔ نظم ''کافرِ نعمت مسلماں'' میں ایک فوری سا تاثر ہے۔ اگرچہ نظم محفلِ میلاد کے لیے لکھی گئی ہے لیکن تذکرہ مسلمانوں کی سیاسی سماجی صورتحال کا ہے مادّہ پرستی اور مفاد پرستی نے روحانی تنزل کو جنم دیا ہے۔ نعمتِ دینِ حق کو اپنے لیے وجہِ ظفر بنانے کے بجائے مسلماں نے تفرقہ بازی اور نفاق کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ قوم کی ذہنی و فکری پسماندگی اور اوہام پرستی پر طعن و ملامت کی وجہ یوں سامنے آتی ہے:

مجھ سے آنکھیں تو ملاؤ نو اسیرانِ نفاق؟
اس مہینے کو سمجھ رکھا ہے کیا تم نے مذاق؟(۱۲)

پھر جوش بیان کرتے ہیں کہ در حقیقت ولادتِ رسولؐ تاریخِ انسانی کا کیسا ارفع واقعہ ہے یہاں سے نوعِ بشر کے سرمدی منشور پر حق نے آخری مہر ثبت کی تھی۔ پھر سوال کرتے ہیں۔

آج بھی کیا تم اسی قانون کے پابند ہو؟
چپ ہو کیوں اپنے خداؤں کی مجھے فہرست دو(۱۳)

نظم کا اختتام ان نصائح پر ہوتا ہے کہ قرآن کو تھام کر مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کریں۔

نظم ''ولاتِ رسولؐ'' بھی محفلِ میلاد کے لیے نہایت عجلت میں لکھی گئی۔ یہ نظم مسدس ہیئت میں ہے۔ ابتدائی حصّہ رومانی اسلوب کا نمونہ ہے۔ محاکات کی مثالیں ہیں۔ مظاہرِ فطرت ولادتِ رسولؐ کی سرشاری میں محو نظر آتے ہیں۔

خسروِ خاور نے پہنچا دیں شعاعیں دُور دُور
دل کھِلے شاخیں ہلیں ، شبنم اڑی ، چھایا سرُور
آسماں روشن ہُوا کانپی زمیں پر موجِ نُور
پو پھٹی ، دریا بہے ، سنکی ہوا ، چہکے طیور
نُورِ حق فاران کی چوٹی کو جھلکانے لگا
دلبری سے پرچمِ اسلام لہرانے لگا(۱۴)

کچھ بند آپ ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پھر یہاں بھی اسی ملال پر اختتام ہے کہ مسلمانوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کی سیرت سے کچھ فیض نہ پایا۔ اسلامی تاریخ سے سبق سیکھنے اور رہنمائی لینے کے بجائے ہم بے سمتی کا شکار ہیں اور راستوں میں بھٹک رہے ہیں۔ نظم ''پیغمبرِ اسلامؐ'' مثنوی ہیئت میں ہے ابتداء میں شاعر کائنات کا ازل سے قائم ہونا اور مسلسل ارتقاء پذیر ہونا بیان کرتا ہے پھر اس پیہم رواں کائنات کی نعمتوں میں آپ کی بعثت کو حقیقی نعمت قرار دیتا ہے۔

مگر یہ سب بے شمار تحفے زمیں کو فطرت جو بخشتی ہے
کوئی حقیقی ہے ان میں نعمت تو وہ اک آزاد آدمی ہے

وہ آدمی موجِ زندگی سے نگاہ جس کی دُھلی ہوئی ہے
وہ آدمی جس کے ہر نفس میں کتابِ حکمت کھُلی ہوئی ہے
وہ آدمی جس کی تیز نظریں مزاجِ عالم کی رازداں ہیں
وہ آدمی نبضِ پیچ و تابِ حیات پر جس کی انگلیاں ہیں
وہ آدمی جس کا جامِ اُلفت خنک ستارے پیے ہوئے ہیں
وہ آدمی گرد و پیش جس کے فرشتے حلقہ کیے ہوئے ہیں
وہ آدمی جس کے پاک دل میں پیامِ فطرت چھپا ہوا ہے
وہ آدمی جس کا گرم ناخن ربابِ ہستی کو چھُو رہا ہے
وہ آدمی جو شمیم گُل سے علوم کے پھول چُن رہا ہے
وہ آدمی جو ہوا کی رو میں خُدا کا پیغام سن رہا ہے
اگرچہ نقشِ قدم پہ اس کے ازل سے سجدے مین آسماں ہیں
مگر غضب تو یہ ہے جہاں میں اسی سے بے اعتنائیاں ہیں(۱۵)

کائنات کی تاریخ سے نظامِ قدرت سے شاعر آپ ﷺ کی پیغمبری کی حقانیت کو واضح کرتا ہے۔ جسے گرم و سردِ زمانہ سے کوئی گزند نہ پہنچ سکا انسان کے لیے یہ غور و فکر لازم ہے کہ اگر آپ ﷺ کا پیام زندہ ہے تو یہ اس کے عین حق ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ ثبوتِ پیمبری کے لیے شاعر عرب کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے کہ اس عالم ہولناک اور دیارِ فتنہ و شورش میں ایک یتیم بچہ نئی معاشرت کی بنیاد کیسے رکھ سکتا تھا اگر وہ اللہ کا پیغمبر نہ ہوتا۔

ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''جذبہ و احساس پر عبور حاصل کرنے کے باوجود جوشؔ کا اپنے داخل کے ساتھ رابطہ مضبوطی سے قائم نہیں ہوتا اور وہ اپنی ذات میں گہرا غوطہ لگانے کے بجائے خارجی عوامل سے زندگی کو متحرک رکھنے اور مایوسی پر غلبہ پانے کی سعی کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ رومانی عمل ہے تاہم اس قسم کی رومانیت میں شاعری سادہ بیانیہ بن جاتی ہے اور اس کی سطحیت چھپی نہیں رہ سکتی۔''(۱۶)

جوشؔ کی نعتیہ شاعری بھی انھی اوصاف پر مبنی ہے، مستحکم نعت گوئی کا مدار بھی اس بات پر ہے کہ اپنے داخل کے ساتھ مضبوط ربط قائم ہو، غواصیِ ذات شاعری کو ایجاز اور

اعجاز عطا کرے۔ مگر اس کے بجائے جوش کی نعتیہ شاعری اکثر سادہ بیانیہ بن کر رہ جاتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

"ایک ایسے شخص کا تصور کیجیے جس کے گلے میں قدرتی توانائی ہے اور جس کے سینے میں اتنی طاقت ہے کہ وہ اپنی آواز کو دُور دُور تک پہنچا سکتا ہے۔ پھر ایک ایسے شخص کو ذہن میں لائیے جس کی آواز تو منحنی ہو لیکن جسے لاؤڈ سپیکر حاصل ہو گیا ہو اور اب وہ اپنی آواز کو دُور دُور تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہو اقبال کے بعد جوش اور بعض ترقی پسندوں کے ہاں لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے کا رجحان بہت توانا ہے۔"(۱۷)

علی اختر، اختر انصاری دہلوی، حامد اللہ افسر، روش صدیقی، ساغر نظامی، احسان دانش اور الطاف مشہدی ان شعرا میں اہم ہیں جو رومانی تحریک اور ترقی پسند تحریک کے سنگم پر ظاہر ہوئے۔ علی اختر کے نظریۂ شعر کی ایک جھلک ان کے مجموعے "انوار" کے دیباچے سے ملاحظہ ہو:

"نظم کی طرح غزل میں بھی کسی حدبندی کا پابند نہیں ہوں اس لیے ان حضرات کو تو یقیناً مایوسی ہو گی جو بولی ٹھولی محاورے اور فن کو شعر سمجھتے ہیں لیکن جو حضرات شعر کی غیر محدود فضا کی دلآویزیوں سے آگاہ ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ مجموعہ ان کی تسکینِ ذوق میں مددگار ثابت ہو گا۔"(۱۸)

اس مجموعے میں غزلوں کے علاوہ کچھ نظمیں بھی شامل ہیں۔ نظم "سرورِ کونین" میں کائناتِ بسیط پر آپ ﷺ کی بعثت کے اثرات خوبصورت اسلوب میں بیان ہوئے ہیں۔ رومان پسند طبیعت کی نرمی، خوابناکی اور دل گدازی نے نظم کو دھیما، مسرور لہجے عطا کیا ہے۔ مگر مضامین کا بیان سپاٹ نہیں اس میں خیال آفرینی ہے۔ نظم کے پہلے حصے میں یہ تاثر نمایاں ہے۔

وہ دیکھ فضائے ہستی میں انوار کا اک طوفاں اُٹھا
وہ حسن کی بارش ہونے لگی وہ ابرِ ضیا افشاں اٹھا
ساقی نے سجائے جام و سبو بادل امڈے کلیاں چٹکیں
اک شورِ صلائے عام سرِ صہبا کدۂ عرفاں اُٹھا

آئیں وہ تلاشِ حسنِ ازل کا سوز ہے جن کے سینے میں
پردہ جو تھا تیرے جلووں پر اے انجمنِ امکاں اٹھا(۱۹)

دوسرے حصے میں اہل دہر کو احساس دلایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی آمد نے انسان کو کیا اوج عطا کیا ہے۔ آخری حصے میں اعترافِ مقامِ محمدی کا یہ انداز ہے۔

اے کون و مکاں کے رازِ شرف اے پادشہ دین و دنیا
روشن ہے تری ذاتِ عالی سے انجمنِ اوجِ بشری
کافی ہے اسے نسبت تجھ سے کچھ اور نہ ہو گر دنیا میں
اے کاش زمانہ کر سکتا احساسِ حجابِ کم نظری
رخشاں ہے تجلی سے تیری تاریک زمیں کی پیشانی
عنوان ہے تیری ہستی کا تکمیلِ حیاتِ انسانی(۲۰)

روش صدیقی کے کلیات ''افسونِ تکلم'' میں حمد و نعت و سلام کے زمرے میں ۳۰ کلام شامل ہیں۔ جن میں زیادہ تعداد نعتیہ نظموں کی ہے۔ اور ان میں پہلی نظم ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے چونکہ ردیف طویل ہے لہٰذا لفظیات و مرکبات کی جامعیت سے شاعر نے وسعتِ مضامین کو سمیٹنے کی سعی کی ہے۔ تمام اشعار میں سیرت النبی ﷺ ہی کے کسی نہ کسی پہلو کا بیان ہے۔

جلوۂ عارض ، حلقۂ کاکل ، جانِ لطافت ، روحِ تجمل
حسنِ دو عالم جس سے عبارت ، صلی اللہ علیہ وسلم
چشمِ عطا دلجوئے یتامٰی دستِ کرم بازوئے مساکیں
سر سے قدم تک آیۂ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم(۲۱)

''نعت شریف'' میں ایک لطافت ہے، بعض مضامین جنھیں عموماً بڑی ثقالت سے نعت میں پرویا جاتا ہے۔ وہ یہاں بڑی سہولت سے ادا ہوئے ہیں اور شاعر کے داخل کی گہرائی کا پتا دے رہے ہیں:

تمنا غلاموں کو کیا کیا نہیں ہے
مگر تابِ عرضِ تمنا نہیں ہے

یہ ہے محفلِ نازِ "الفقر فخری"
مدینہ ہے عرشِ معلّٰی نہیں ہے
بہت مختصر ہے پیامِ غریباں
صبا کچھ تجھے یاد رہتا نہیں ہے[۲۲]

نظم "جانِ کائنات" میں بھی تمام تذکرہ سیرت النبی ﷺ کا ہے کہ کس طرح آپ ﷺ کی تعلیمات نے انسان کو اصلاً مرتبۂ آدمیت سے آشنا کیا۔ ایک اور نظم "نعت شریف" کے عنوان سے ہے اس میں جو اشعار کہے گئے ہیں۔ ان میں آلِ مصطفیٰ اور یارانِ مصطفیؐ سے بھی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے۔ "صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے ایک نعت کہی ہے جس میں اسلوب دھیما اور نرم ہے شاعر کے داخلی احساس کی جھلک ہے جو نبی کریم ﷺ سے شخصی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ عالمِ حضوری نے اس کیفیت کو اور بھی دلآویز بنا دیا ہے۔

گزرتی ہے جو ہم پر وہ گراں ہے تجھ پہ اے آقا
کمالِ دلنوازی انتہائے مہربانی ہے
اُدھر کانٹے بچھائے جا رہے ہیں تیری راہوں میں
اُدھر موجِ کرم ہے اور ہجومِ گل فشانی ہے
روش ہے حاضرِ بابِ النبیؐ اور یاد میں سرخم
یہ گویا سب غلامانِ حزیں کی ترجمانی ہے[۲۳]

نظم "مدینہ کی زمین" میں مدینہ پاک کو آپ ﷺ ہی کی نسبت سے سرچشمۂ انوار قرار دے کر شاعر نے کونین میں آپ ﷺ کی مرکزیت اور ہمہ گیری بیان کی ہے۔ آخری اشعار میں اپنی کیفیات کو بھی بیان کیا ہے:

اے اہلِ حرم مجھ کو تو اتنا ہی نہیں یاد
یہ سنگِ درِ یار ہے یا میری جبیں ہے
خدامِ ادب لائے ہیں پیغامِ حضوری
مدہوشِ تجلی روشِ خاک نشیں ہے[۲۴]

نظم ''شبستانِ محمد ﷺ'' ترکیب بند ہے، تینوں بند مضامین کے اعتبار سے سیرت النبیؐ کا بیان ہیں۔ آپ ﷺ کے جلال وجمال، ترحّم، تفضّل، عفو و در گزر، شفقت اور رحمت کا تذکرہ ہے۔ تہذیب و تمدّن نے کس طرح آپ ﷺ سے فیضان حاصل کیا اور آپ ﷺ کی تعلیمات نے بنی نوعِ انسان کو کیا شرفِ عطا کیے ان کا تذکرہ ہے۔ خیر و شر، آگہی بندگی کا قرینہ اور خالق کی پہچان انسان کو آپ ﷺ نے عطا کی۔ شاعر کا اسلوب رواں ہے، کہیں سادہ بیانیہ اور کہیں شعریت غالب ہے:

بہشتِ سرمدی کی راحتوں کو — نثارِ دردِ انساں کر دیا ہے
جو ذرّے پردۂ ظلمت میں گم تھے — انھیں مہرِ درخشاں کر دیا ہے
بڑھا کر احترامِ صنفِ نازک — نگہبانِ دل و جاں کر دیا ہے(۲۵)

ایک اور نظم ''نعت شریف'' بھی تمام تر انھی عناصر کی حامل ہے۔ ایک مخمس ''سلام'' کے عنوان سے ہے جو ۱۸ بندوں پر مشتمل ہے۔ حیات و کائنات میں آپ ﷺ کا مقام، آپ ﷺ کے اوصاف قلب و نظر آپ ﷺ کے صحابہ کا مقامِ اُمت کے لیے حضورِ خدا آپ ﷺ کی گریہ وزاری اخلاقِ کریمانہ سے عرب و عجم کا زیر ہونا، مخلوقات کا آپ ﷺ کی شفقت و رحمت سے بہرہ ور ہونا سب شاعر نے بیان کیا ہے۔ آخر میں سرگراں اور بھٹکے ہوئے زمانے کے لیے نگاہِ کرم کی درخواست بھی کی ہے ہر بند میں نفسِ مضمون کے موافق الفاظ شاعر نے استعمال کیے ہیں۔ بحیثیت مجموعی شاعر کے لہجے میں نرم رو آبجو کا انداز ہے۔ مثال کے طور پر دو بند ملاحظہ ہوں:

حیاتِ خاک نشیں کو لباسِ نور دیا
دلوں کو نور دیا روح کو سرور دیا
جسے سرور دیا ظرف بھی ضرور دیا

یہ اعتراف رہے گا ضمیرِ امکاں کو
کہ تو نے محرمِ یزداں کیا ہے انسان کو(۲۶)

وہ شفقتیں کہ غریبوں کو اوجِ بخت پہ ناز
وہ رحمتیں کہ کرم ہی تھا عجز کا انداز
ملا نہ دہر کو تجھ سا کوئی غریب نواز

جواب میں کسی سائل کے 'لا' کہا نہ گیا
درِ کریم سے خالی کوئی گدا نہ گیا(۲۷)

نظم "بیداریٔ طویل" سورۃ مزمل کا منظوم ترجمہ ہے جو خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ نظم "لیلۃ المعراج" قصیدے کا شکوہ اور مضمون آفرینی رکھتی ہے۔ انتخاب الفاظ پختگی کا مظہر ہے۔ دو شعر دیکھیے:

خلوتِ راز دلی تجھ سے سراپا جمال
دیدۂ قوسین میں تیری تمنا کا نور
تجھ سے ہوئی گرمِ راز زُلفِ خفی و جلی
تو نے کیا بے نقاب چہرۂ نزدیک و دُور(۲۸)

ساغر نظامی کے کلیات میں چند نظمیں نعتیہ ہیں۔ نظم "سرورِ عالمؐ" میں آپ ﷺ کی آمد کی بشارتوں اور آپ ﷺ کی آمد کے بعد آپ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات کے کائنات پر اثرات کا ذکر ہے اور نظم کے آخر میں اُمتِ مسلمہ کے پیکرِ مردہ میں روح پھونکنے کے لیے شاعر آپ ﷺ کے کرم کی درخواست کرتا ہے۔ مگر نظم میں ایک دو مقامات محلِ نظر ہیں۔ حضور ﷺ کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے ساغر نظامی لکھتے ہیں:

نقطۂ تخلیق ابھرا اور بنا طورِ ازل
پیکرِ خاکی میں داخل ہو گیا نورِ ازل(۲۹)

اگرچہ یہ مضمون اہلِ تصوف شوق سے لکھتے پڑھتے ہیں لیکن داخل ہونا دخول کے معنی پیدا کر رہا ہے۔ اس لیے اجتناب بہتر ہے آگے چل کر ایک مصرع یوں ہے:

ع فخرِ عالم اُمتوں کا گلہ باں پیدا ہوا

گلہ بان، یہاں مجازاً رہنمائی یا نگہبانی کے لیے آیا ہے لیکن اس سے بہتر الفاظ موجود ہیں شاعر کو احتیاط کرنا بہتر تھا۔ اسی طرح نظم کے آخری حصے میں استغاثہ کے اشعار میں توازن کی کچھ کمی ہے۔ ساغر نظامی کی ان نعتیہ نظموں میں اسلوب پر رومانی تاثر زیادہ گہرا نہیں

تفکر کا انداز غالب ہے۔ البتہ شعریت کے نمونے بھی موجود ہیں:

رسولِ فطرت و پیغمبرِ حیات سلام
ہے تیرا پرتوِ رُخ حسنِ کائنات سلام

درود منبعِ فصلِ بہار تجھ پہ درود
کہ بادِ صبح چلی تجھ سے ریگزاروں میں
نمودِ نخل ہوئی تجھ سے سنگ پاروں میں
گلاب تجھ سے مہکنے لگے شراروں میں
ہر ایک شے میں ربابِ حیات چھیڑ دیا(۳۰)

ایک کلام ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کی ردیف میں ہے۔ بالعموم اس زمین کہی گئی نعتوں میں الفاظ وتراکیب کا تنوع نظر آتا ہے۔ یہاں بھی شاعر نے مرکبات سازی سے نظم کی فضا تعمیر کی ہے۔ مثلاً:

سازِ ازل سے تارِ ابد تک ایک ترنم ایک تلاطم
بربطِ جاری ، نغمۂ پیہم صلی اللہ علیہ وسلم (۳۱)

سوزِ سراپا ، دردِ مجسم ، عاشق اُمت شافع عالم
آنسو شبنم ، شبنم شبنم ، صلی اللہ علیہ وسلم
سر میں سجودِ شوق کا طوفاں ، آنکھوں میں سو ابرِ باراں
کوئے مدینہ اور یہ موسم ، صلی اللہ علیہ وسلم (۳۲)

احسان دانش کی نعتیہ شاعری میں لہجہ دھیما اور متین ہے۔ فریاد اور امداد طلبی کے مضامین میں بھی جھلّاہٹ کے بجائے احترام ہے نیز مضامین میں انداز سپاٹ نہیں۔ شعریت کا عنصر موجود ہے۔ نظم ”بدرگاہِ سرورِ کائنات“ سے اشعار دیکھیے:

بصد یقین بصد اعتمادِ دیدہ وری
ہے تیری ذات پہ تکمیلِ عظمت بشری
ترے وجود پہ فہرستِ انبیا ہے تمام
تجھی پہ ختم ہے روح الامیں کی نامہ بری

ترے حدودِ نبوت ترا مقام نظر
بتا رہی ہے تری زندگی کی حق نگری
گئی کبھی نہ ترے در پہ سر جھکائے بغیر
سجودِ شوق کی الجھن جبیں کی دربدری
مرے کریم مجھے ہے ترا کرم درکار
مرے مسیح مجھے ہے تلاشِ چارہ گری
ترے حضور بصد شرم لے کے آیا ہوں
کچھ آنسوؤں کا تلاطم کچھ آستیں کی تری (۳۳)

احسان دانش کے نعتیہ اشعار میں الفاظ و تراکیب کا الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں بلکہ خیال سادگی اور سہولت سے ادا ہوتا ہے۔ ان کا انداز رسمی نہیں داخلی ہے:

تو ہجوم دو جہاں میں ہے وہ پیکرِ محاسن
ہوئی جس میں آ کے مدغم ہمہ کائناتِ یزداں (۳۴)

احسان دانش کی طویل نعتیہ نظم ''دارین'' مسدس ہیئت میں ہے پہلے چار بند حمدیہ اور پھر نعت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس نظم میں صفاتِ محمدیؐ کا بیان رواں دواں مترنم اسلوب میں ہے۔ شاعر کے الفاظ و تراکیب، تشبیہات، استعارے، علامتیں سب کیف و سرور کے پیدا کردہ ہیں اور کیف و سرور ہی کو جنم دیتے ہیں۔ جن نکات کو بعض اوقات شعرا نہایت ادق اور ثقیل پیرائے میں لانے کی سعی کرتے ہیں۔ انھیں احسان دانش نے بڑی سہولت سے دلنشیں اسلوب میں پرو دیا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کائنات کے لیے کس طرح باعثِ افتخار ہوئی۔ تبلیغِ دینِ حق کے لیے آپ ﷺ کا مصمّم کردار اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کا معاشرے پر اثر ان سب عناصر کو شاعر نے بتدریج بیان کیا ہے۔ مظاہر فطرت کی تجسیم کاری ان کے اسلوب کو چار چاند لگاتی ہے۔ نظم کے آخر میں غنودہ و مائل بہ انتشار اُمت کو مخاطب کر کے زوال کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات سے بے بہرہ ہو کر مسلمانوں نے جس خسارے کا سامنے کیا ہے۔ اس کی تلافی اور اُمت کا احیائے نو اسی صورت میں ممکن ہے کہ رہِ رسولؐ پر چلنا نصیب ہو۔

''دارین'' کے کچھ بندوں کے آخری اشعار یہاں درج کیے جا رہے ہیں۔ جن میں

احسان دانش کی نعت گوئی کی لطافت نمایاں ہے۔ اوصافِ نبیِ محترم یہاں کیسے سہل اسلوب میں جلوہ گر ہیں۔ الفاظ میں ندرت ضرور ہے مگر ثقالت نہیں۔ محبتِ رسول ﷺ اور کمالِ سخن وری دونوں آمیز ہیں:

بدلا وہ تو نے ذہن کو دل کو مزاج کو
حیرت شکستہ آئینہ لائی خراج کو

جب بھی قلم چلا ترے حسن و صفات میں
تھے چوکھے چراغ تخیل کے ہات میں(۳۵)

گونجی صنم کدوں میں صدا لاالٰہ کی
صورت نکال دی ہے خدا سے نباہ کی(۳۶)

ذرّے فلک کی سمت کو پَر تولنے لگے
پتھر تلامذہ کی طرح بولنے لگے(۳۷)

موجِ نفس صدائے جرس میں بدل گئی
انسانیت علیل پڑی تھی سنبھل گئی

تہ خانۂ خِرد سے جنوں جھانکنے لگا
صحراؤں کا سکوت ہوا پھانکنے لگا(۳۸)

بیماریوں کے کھیت کٹے ، زندگی اُگی
بنجر زمیں کی کوکھ سے سورج مکھی اُگی(۳۹)

قندیل شمعِ نُور سے ہر سینہ بن گیا
یکجا ہوئیں خراشیں تو آئینہ بن گیا(۴۰)

نعتیہ شاعری پر باقاعدہ نقادوں کی تنقید سے ہٹ کر ایسی بہت سی تحریریں ملتی ہیں۔ جن میں شعرانے مقدمات، دیباچوں یا تقاریظ کی صورت میں صنفِ نعت سے متعلق خیالات کا اظہار کیا ہے۔ حافظ مظہر الدین کے مجموعے ''جلوہ گاہ'' کے ابتدائیے میں احسان دانش لکھتے ہیں:

''صرف الفاظ سے نعت کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ جو جذبہ الفاظ کا جامہ قبول کر کے کاغذ پر قابلِ اظہار بنتا ہے۔ وہی جذبہ ہے جسے ثنائے بے نطق کا نام دیا جا سکتا ہے۔ جذبات کا وہ لمحہ ایسا ہوتا ہے کہ کائنات میں دل کی دھڑکن کے سوا کوئی آواز نہیں آتی ہے۔ اگر آنسو بھی گرتا ہے تو پہروں روح میں اس کی جھنکار گونجتی رہتی ہے۔ اس وقت انسان اور خدا السانی طور پر ایک سطح پر آجاتے ہیں کیونکہ جب کوئی شخص درود پڑھتا ہے تو خدا فرماتا ہے کہ میں بھی درود پڑھتا ہوں۔ وہ دعا کا وقت بھی ہوتا ہے اور دوا کا بھی اور درود حضور ﷺ کی نعت سے کسی طرح کم نہیں۔''(۴۱)

یہ خیالات بھی ادب کے اسی رومانی نقطۂ نظر کا پرتو ہیں جس کا ذکر مضمون کے آغاز میں کیا گیا۔ ڈاکٹر انور سدید نے نیاز فتحپوری کو رومانی نقادوں میں شامل کرتے ہوئے ان کی تنقید میں حسن کی تلاش کو ایک اساسی خوبی قرار دیا ہے۔ جذبے کی صداقت اور شعر کی خشت بندی میں امتیاز پیدا کرنے کی کاوش میں وہ رومانی نقاد کی بنیادی آزادی سے دستبردار نہیں ہوتے۔ ان کے ہاں وجدان کے ساتھ عقل اور منطق کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ نیاز فتحپوری کا کچھ نعتیہ سرمایہ بھی دستیاب ہے۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید لکھتے ہیں:

''دینی مدرسوں نے ان کے ذہن کو مذہبی سوجھ بوجھ دی جبکہ لکھنوی ماحول نے ان کے مزاج اور تحریر کو رومانی ناز و انداز عطا کیا۔''(۴۲)

پروفیسر موصوف نے انیسویں صدی کے اوّلین عشرے سے پنجاب کے ایک دُور افتادہ گاؤں سے نکلنے والے دینی، علمی، ادبی ماہنامے ''صوفی'' کی کمیاب فائلوں سے نیاز فتحپوری کے نعتیہ کلام کا تعارف فراہم کیا ہے۔ جس کے مطابق فروری ۱۹۱۶ء کے رسالہ صوفی میں ۵۳، اشعار پر مشتمل فارسی نعتیہ قصیدہ شائع ہوا۔ نومبر ۱۹۲۱ء کے صوفی (رسول

نمبر) میں نیاز کی دو نعتیہ نظمیں شامل ہیں۔ پہلی مسدس نظم کا عنوان "ہمیں کیا فکر جب ایسے شہنشہ کے گدا ٹھہرے" ہے، جو نو بندوں پر مشتمل ہے، نظم کی ابتدا میں بعثتِ نبویؐ سے قبل کا نقشہ کھینچا ہے۔ پہلا بند دیکھیے:

زمین و آسمان کا ذرّہ ذرّہ وقفِ ظلمت تھا
مذاقِ آفرینش روشناسِ چشمِ حیرت تھا
نمودِ کاوشِ بے جا تھی فقدانِ مسرت تھا
جہاں دل تھا وہیں ناواقفِ رمزِ صداقت تھا

غرض ماتم کدہ پیدا تھا ہر جنبش سے مژگاں کی
حقیقی سوگواری کھل پڑی تھی طبع انساں کی(۴۳)

چوتھے بند میں آپ ﷺ کی تشریف آوری اور بقیہ نظم میں آپ ﷺ کی آمد کے اثرات کو بیان کیا ہے۔ آخر میں حضور ﷺ کے خاتم النّبیین، بے نظیر اور انسانیت کے نجات دہندہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت و تعلیمات نے دنیا کو جو فیضان عطا کیا شاعر نے اس کا ذکر وارفتگی سے کیا ہے:

تحیر تھا زمانے کو کہ یہ افسوں تھا یا کیا تھا
سوادِ کفر کو جس نے مٹا کر رکھ دیا کیا تھا
بپا کی جس نے تاریکی میں یہ بزمِ ضیا کیا تھا
وہ آخر کون تھا جن و ملک تھا انس تھا کیا تھا

بظاہر یوں تو وہ اک فرد ہی تھا نوعِ انساں کا
بباطن تھا مگر اک تیز جلوہ نورِ یزداں کا

وہ صبر و حلم کی عادت فداکاری کا وہ جذبہ
جمالِ سحر آ گیں اور وہ عزمِ فلک پیما
نہیں تھا اس کا مسلک صرف ابراہیم کا شیوہ
بہم تھے اس میں ایوب و مسیح و یوسف و موسیٰؑ

نبی تھے اور اگر تارے تو یہ بدرِ درخشاں تھا
اگر وہ بدر روشن تھے تو یہ خورشید تاباں تھا(۴۴)

دوسری معشر نظم چار بندوں پر مشتمل ہے، ہر بند میں چار شعروں کے بعد ٹیپ کا شعر ہے، نظم میں حاضری کی خواہش اور کیفیات ہجر کا بیان ہے۔ شعری سطح بہت بلند نہیں ہے:

کہاں تک ہجر کے صدمے سہوں گا
کہاں تک صبر سے میں کام لوں گا
تو ہی انصاف کر اے فخر عالم
کہ تجھ سے چھٹ کے میں کیونکہ جیوں گا
ترے دیدار کو تڑپوں گا تا کے
تری فرقت میں کب تک جان دوں گا
خدارا کچھ تو بتلا دے کہ کب تک
یہاں کی خاک میں چھانا کروں گا

ز مہجوری بر آمد جانِ عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم (۴۵)

فروری ۱۹۲۲ء کے شمارے میں ۲۱ بندوں پر مشتمل مسدس کی ہیئت میں ایک نظم ہے جس کا عنوان ہے۔ ”ع: باش مرغابی کہ اکنوں کار با طوفاں فتاد“ اسی شمارے میں ایک اور معشر نعت فارسی میں ہے جو پانچ بندوں پر مشتمل ہے۔ نیاز کی آخری نعت حضرت قدسی کی معروف نعت پر تضمین کی ہیئت میں ہے۔ اس نعت میں گیارہ بند ہیں۔ نیاز فتحپوری ایک صاحبِ طرز ادیب ہیں۔ عمدہ تخیل، احساس اور لسانی شعور اس امر کے لیے ضروری ہیں۔ نیاز کی شاعری میں بھی یہی عناصر جھلکتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی شدید جذبہ مبالغے یا استخفاف کا باعث ہو جاتا ہے۔ پروفیسر اقبال ساجد کی یہ رائے بالکل درست ہے:

”میرے نزدیک یہ نیاز کی نکتہ رسی، آگہی اور حق شناسی کی دلیل ہے کہ انھوں نے دینی رسوخ اور شعری شعور کے باوجود بہت کم نعتیں کہی ہیں۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ ہر گام پھسلنے والے قدم، تلوار کی دھار پر تا دیر نہیں چل سکتے وہ بخوبی جانتے تھے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں نعت کہنے کی حسرت بھی سب سے بڑی نعت بن جاتی ہے۔“ (۴۶)

رومانی تحریک کے شعرا کے اس مختصر سرمایۂ نعت پر نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوتا ہے کہ

ان شعرا کا نعتیہ کلام مشترک خصائص ہی کا حامل ہے۔ الفاظ و تراکیب سے صوتی تاثر میں دلکشی پیدا کرنے اور تشبیہات و استعارات میں فطرت پسندی کا رجحان نظر آتا ہے۔ بعثتِ نبویؐ کے ثمرات کا ذکر بھی مظاہر فطرت کے علائم سے بیان ہوا ہے۔ عموماً لطیف مضامین ہی مستعمل ہیں۔ ان شعرا نے گہرے تفکر یا مذہبی عقائد میں کسی شدت یا وابستگی کا اظہار نہیں کیا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ رومانی تحریک کے شعرا نے اسلوب کی جو لطافت و زیبائش اور نرم روی نعتیہ شاعری میں روا رکھی اسی نے آگے چل کر نئے ادبی معیارات کی آمیزش سے ایک بہتر رنگ اختیار کیا۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح رومانی تنقید فن پارے کی مابعد الطبیعیات پر نگاہ کرتی ہے۔ کشفِ معنی کے لیے تخلیق کے وجدانی عمل پر غور کرتی ہے۔ جمال پسندی کی حامل ہے۔۔۔ یہی تمام عناصر نعت پر تنقید کرتے ہوئے نہایت اہم ہیں لیکن رومانی نقادوں نے اس ضمن میں قابلِ ذکر تنقیدی سرمایہ فراہم نہیں کیا۔

حوالہ جات

۱ - کلیاتِ اختر شیرانی، مرتبہ: گوپال میتل، نیشنل اکاڈمی، دہلی، ۱۹۴۹ء، ص:۱۶

۲ - مخزنِ نعت، مرتبہ: پروفیسر محمد اقبال جاوید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، اشاعت دوم، ۲۰۲۱ء، ص:۹۸

۳ - ڈاکٹر وزیر آغا، اُردو شاعری کا مزاج، مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۶ء، ص:۳۳۰

۴ - کلیاتِ حفیظ جالندھری، مرتبہ: خواجہ محمد زکریا، فرید بک ڈپو لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء، ص:۲۴۱

۵ - کلیاتِ حفیظ جالندھری، ص:۲۴۳

۶ - ایضاً، ص:۲۳۸

۷ - ایضاً، ص:۳۵۲

۸ - ایضاً، ص:۷۹۷

۹ - ایضاً، ص:۸۰۰

۱۰ - کلیاتِ جوش، مرتبہ: ڈاکٹر عصمت ملیح آبادی، فرید بک ڈپو، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص:۳۷۳

۱۱ - ایضاً، ص:۳۷۴

۱۲ - ایضاً، ص:۳۸۸

۱۳ - ایضاً، ص:۳۸۹

۱۴ - ایضاً، ص:۳۸۹

۱۵ - ایضاً، ص:۴۰۱

۱۶ - ڈاکٹر انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۹۹ء، ص:۴۴۸

۱۷ - ڈاکٹر وزیر آغا، اُردو شاعری کا مزاج، ص:۳۵۱

۱۸ - علی اختر، انوار، اعظم اسٹیم پریس، حیدر آباد، دکن، ۱۹۴۱ء، ص:۰۶

۱۹۔ ایضاً،ص:۹

۲۰۔ ایضاً،ص:۱۱

۲۱۔ روش صدیقی، افسونِ تکلم، مرتبہ: شاہد معین صدیقی، اسماعیل نگر میرٹھ، ۲۰۱۳ء، ص:۵۵

۲۲۔ ایضاً،ص:۶۰

۲۳۔ ایضاً،ص:۶۶،۶۷

۲۴۔ ایضاً،ص:۶۸

۲۵۔ ایضاً،ص:۷۱

۲۶۔ ایضاً،ص:۷۷

۲۷۔ ایضاً،ص:۷۹

۲۸۔ ایضاً،ص:۹۷

۲۹۔ کلیاتِ ساغر نظامی، جلد دوم، مرتبہ: ڈاکٹر مظفّر حنفی، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء،ص:۲۶۸

۳۰۔ ایضاً،ص:۲۷۷

۳۱۔ ایضاً،ص:۲۸۰

۳۲۔ ایضاً،ص:۲۸۱

۳۳۔ احسان دانش، فصل سلاسل، دانش آباد، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص:۱۳

۳۴۔ احسان دانش، مقامات، مکتبۂ دانش مزنگ، لاہور، ص:۲۰

۳۵۔ احسان دانش، ابرِ نیساں، مکتبہ دانش، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص:۱۸

۳۶۔ ایضاً،ص:۲۲۰

۳۷۔ ایضاً،ص:۲۲۶

۳۸۔ ایضاً،ص:۲۲۹

۳۹۔ ایضاً، ص:۲۳۰

۴۰۔ ایضاً، ص:۲۳۱

۴۱۔ بحوالہ ”جلوہ گاہ“ از حافظ مظہر الدین، حریم ادب، راولپنڈی، ۲۰۰۹ء، ص:۶

۴۲۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید، تحسینِ رسالت، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۹ء، ص:۳۸۵

۴۳۔ ایضاً، ص:۳۹۳

۴۴۔ ایضاً، ص:۳۹۴

۴۵۔ ایضاً، ص:۳۹۶

۴۶۔ ایضاً، ص:۳۹۲

باب سوم

اُردو نعت اور ترقی پسند تحریک

اُردو نعت اور ترقی پسند تحریک

ادب میں حقیقت پسندی کا رجحان رومانی تحریک کے عہد میں بھی موجود رہا۔ بر صغیر کے سیاسی و سماجی حالات میں جو انقلاب برپا ہو رہا تھا اس نے فرد میں یہ شعور پیدا کیا کہ زندگی کے تلخ حقائق جن میں انسان کی غلامی، بھوک، بیماری و جہالت شامل ہیں ان کو ادب کا موضوع ہونا چاہیے ور ادب کو انقلاب کا داعی ہونا چاہیے ڈاکٹر انور سدید کے تجزیے کے مطابق ترقی پسند تحریک کے پہلے دور (۱۹۳۶ تا ۱۹۴۰) میں ادیب کو سماجی فرائض سونپے گئے لفظ کو جذباتیت کے بجائے سادہ اور اکھرے انداز میں استعمال کیا گیا ہے اور اس تجرباتی دور کی تنقید نے قارئین کے لیے ترقی پسند تحریک کی مقبولیت اور دلچسپی میں اضافہ کیا تحریک کی ہمہ جہت ترقی کا دور تھا۔ سیاسی و سماجی کشمکش کے اس زمانے میں ایک طرف ادب میں نعرہ بازی کا عنصر بھی پیدا ہوا دوسری طرف ان شعر اور ادبانے جو فنی پختگی حاصل کر چکے تھے تحریک کے مقاصد کی بہتر پیشکش کی اور عوام کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوئے ترقی پسندوں کے نزدیک یہ حقیقی آزادی نہ تھی ترقی پسند تحریک میں اشتراکیت کے اساسی فلسفے کے باعث سرمایہ دارنہ اور جاگیر دارانہ نظام اور طبقاتی تفریق کو سامنے لانے کے عمل میں تحریک کی مادی اور سیاسی جہت نے نمایاں اہمیت حاصل کی۔ ادب، سیاست اور مذہب پر اختلافی نظریات اور مباحثوں کا اس دور میں آغاز ہوا ترقی پسند تحریک کا نیا منشور بھی سامنے آیا مگر ادبی تحریک پر سیاسی نظریات کا غلبہ تحریک کی کمزوری ثابت ہوا۔[1]

تقدیسی ادب کی تخلیق کے لیے فنکار کی شخصیت میں مذہبی عنصر کے غالب ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔ جبکہ ترقی پسند تحریک مذہب بیزاری کے الزام کی زد میں رہی ہے ترقی پسند تحریک کا مطمح نظر یہ بھی تھا کہ مذہب، دھرم، تہذیب یا کلچر پر مبنی عقائد قومی اتحاد یا آزادی کی متحدہ کوششوں میں معاون نہیں ہوسکتے لہٰذا لادنیت کا تاثر پیدا ہوا ترقی پسندوں کی شاعری بھی اس کی غماز رہی ہے مخدوم محی الدین کی ایک نظم ''مشرق'' سے مثال ملاحظہ ہو

وہم زائیدہ خداؤں کا روایت کا غلام
پرورش پاتا رہا ہے جس میں صدیوں کا جزام

اک مسلسل رات جس کی صبح ہوتی ہی نہیں
خواب اصحاب کہف کو پالنے والی زمین
کوڑھ کے دھبے چھپا سکتا نہیں ملبوس دیں
بھوک کے شعلے بجھا سکتا نہیں روح امیں [۲]

نظم کی لفظیات سے واضح ہے کہ شاعر مذہب اور مذہبی تاریخ سے بے بہرہ نہیں روحانی اقرار اور سرچشموں سے بے اعتنائی کا اظہار ترقی پسندوں کو مذہب بیزار ظاہر کرنے کا باعث ہوا غور کیجیے تو یہ بیزاری اصلاً مذہب یا مذہب کی روح سے نہیں۔ عزیز احمد کے بقول:

"اشتراکت کی اصل لڑائی مذہب سے نہیں بلکہ توہم پرستی سے ہے جس کو مذہب کے جھوٹے پیشوا عوام کے لیے افیون بنا کر پیش کرتے ہیں اس توہم پرستی اور ریاکاری سے دنیا کا ہر بڑا اور سچا شاعر برسرپیکار رہا ہے۔"[۳]

ترقی پسندوں کی مذہب سے اور ان روایات سے بیزاری جو رہن سہن میں مذہبی مزاج کی عکاس تھیں اپنے ماحول سے بغاوت ہی کا ایک زاویہ ہے انگریزی تعلیم اور اطوار کے حامل نوجوانوں کا طرزِ زندگی عربی، فارسی، دینیات پڑھے ہوئے نوجوانوں میں احساس کمتری کو جنم دے رہا تھا سجاد ظہیر نے "روشنائی" میں تحریک کے فنکاروں کا ذکر کرتے ہوئے اس ذہنی و سماجی اکھاڑ پچھاڑ کا نقشہ کھینچا ہے جس کے باعث مذہبی حُلیے سے اجتناب کی فضا قائم ہو رہی تھی یہاں وضع قطع میں اسلامی اطوار اپنانے والے نوجوانوں کا ذکر انھوں نے استہزا کے ساتھ کیا ہے۔[۴]

بادۂ نیم رس کی مثالوں سے قطع نظر ترقی پسند تحریک کے پختہ شعرا نے مذہب یا ملائیت کے مضمون میں جو کچھ کہا اسے اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے کہ اردو غزل کی روایت میں "واعظ" کا کردار اسی ظاہری و باطنی تضاد کا عکاس رہا ہے اور اس کردار پہ طنز و تعریض کا مطمح نظر یہی ہے کہ مذہب کی روح کو جذب کرنے کی بجائے اسے ظاہری اور رسمی چیز بنا دینا قابلِ تحسین نہیں اسی بنیادی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے اختر حسین رائے پوری کی رائے دیکھیے:

"صحیح ادب کا معیار یہ ہے کہ وہ انسانیت کے مقصد کی ترجمانی اس طریقے سے کرے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے اثر قبول کر سکیں اس کے لیے دل میں

خدمت خلق کا جذبہ پہلے ہونا چاہیے کیونکہ ادب پیغمبری کی طرح خود گزاری کا
متقاضی ہے نہ کہ ملائیت کی طرح پیشہ ور۔"(۵)

ترقی پسند شعرا کی نعت گوئی بھی عشقِ رسول کے بنیادی عنصر کے علاوہ انھی خصوصیات پر مبنی ہے کہ سیرت مطہرہ کے وہ پہلو اس میں نمایاں تر ہیں جن میں آپ ﷺ کی ذات پاک معاشرے کے لیے امن خیر اور مساوات کی پیامبر بن کر مثالی معاشرے کے خدوخال متعین کرتی ہے۔

احمد ندیم قاسمی صرف ترقی پسند شاعر ہی نہیں ہیں ادیب افسانہ نگار صحافی اور کالم نگار ہیں ان کے فن کی بنیاد انسان دوستی کے تصور پر ہے صف نعت میں یہ تصور سیرت نبوی سے جِلا پاتا ہے۔ اور ندیم کی نعت کو اعجاز مسیحائی اور تزکیہ قلب کی صلاحیت عطا کرتا "انوارِ جمال" میں ندیم کی شاعری نہ صرف فکر و نظر بلکہ شعری جمالیات کے اعتبار سے بھی حسن اور گداز رکھتی ہے وہ اس مادہ پرست عہد میں نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ ﷺ کی پیروی ہی کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔

انسان مال و زر کے جنوں میں ہیں مبتلا
اس حشر میں ندیم کو درکار آپؐ ہیں(۶)

قرۃ العین طاہرہ کو دیے گئے ایک انٹرویو میں ندیم کہتے ہیں:

"اسلام دنیا کا ترقی پسند مذہب ہے یہ ملائیت کے مذہب سے الگ سادہ اور سچا
مذہب ہے اور میری ترقی پسندی نے بیشتر قرآن و حدیث اور حضور ﷺ کے
اسوۂ حسنہ سے انسپریشن حاصل کیا ہے۔"(۷)

نظم حضور اکرم ﷺ میں ندیم نے اپنی ان داخلی کیفیات کو بیان کیا ہے آپ ﷺ کے حضور عرض گزاری ہے کہ آپ ﷺ امتیازات کو مٹانے، ظلم کی آگ کو بجھانے آدمیت کو معیارات عطا کرنے، قیصریت اور اصنام گری کی فصیلوں کو گرانے کے لیے آئے مگر آج تعلیم مساوات ایک جرم عظیم ہے:

آج تعلیم مساوات ہے وہ جرم عظیم
جس کی پاداش میں کٹتی ہیں زبانیں کتنی

آج سوچوں پہ بھی قانون کی زد پڑتی ہے
خوف تعزیر سے رکتی ہیں اڑانیں کتنی
ایک لقمے کے لیے آج کروڑوں بھوکے
ہاتھ اٹھاتے ہیں تو تنتی ہیں کمانیں کتنی
آپ کے سامنے کرتا ہوں یہ اعلان کہ میں
حق پرستی سے جو باز آؤں تو فنکار نہیں
آپ کے دامن رحمت کا سہارا ہے مجھے
میں حکومت کی عنایت کا طلبگار نہیں
میرے جمہور کی دولت ہیں یہ دشت و کہسار
میرے جمہور کا گھر سایۂ دیوار نہیں(۸)

پھر ندیم نے تہذیب کے باطنی تضادات کا ذکر کیا گیا ہے۔ سیاست اور معاشرت کے وہ معیارات جو حضور ﷺ کی تعلیمات سے متصادم ہیں ان کا کھوکھلا پن بیان کیا ہے۔ نظم کے آخر میں فکر و نظر پر مسلط جبری ضابطوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

قافلے نکلے ہیں قصدِ چمن آرائی ہے
یہ وہ انساں ہیں جو دل سوختہ و لب دوختہ ہیں
آپ ہی قدر کریں آپ ہی انصاف کریں
فقط احساس کی بیداریاں اندو ختہ ہیں
ان کے ہونٹوں سے برستے ہیں مساوات کے گیت
اور محلوں میں شہنشاہ برافروختہ ہیں(۹)

ترقی پسند تحریک کی شاعری اور فکشن نے معاشی جبر و استحصال اور سرمایا دارانہ نظام میں محنت کش طبقے کو درپیش عدم مساوات کے خلاف جس نظریاتی جہاد کا بیڑا اٹھایا وہ ندیم کی نعت میں بھی جاگزیں ہیں سیاسی و معاشی نظام کی ناہمواریوں پر وہ محض جھنجھلا کر نہیں رہ جاتے بلکہ ان کی بے تاب نگاہ بار بار استمداد کی خاطر اسی سرچشمۂ مساوات کی طرف دیکھتی ہے فکر و آگہی کی راہیں مسدود کرنے والے غاصبانہ عوامل کو جھٹک دینا چاہتے ہیں تو تڑپ کر حضور ﷺ ہی کے آگے عرض کرتے ہیں نظم مرے حضور کے اقتباسات دیکھیے:

مرے حضور سلام و درود کے ہمراہ
کئی گِلے بھی کروں گا کہ درد مند ہوں میں
جدید تر ہے تمھارا نظام زیست مگر
قدیم آنچ پہ اک دانۂ سپند ہوں میں
مدار امن واماں ہے تفاوتِ زر و خاک
اس امتیاز سے ہر چند کچھ بلند ہوں میں(۱۰)

مرے حضور میں سچ بولتا رہوں لیکن
میری زبان پہ رکھتے ہیں لوگ انگارے
میں ظلمتوں میں تجلی کی جب دہائی دوں
تو میرے سر پر برستے ہیں آہنی تارے
تمہارے نام کا تنہا جنھیں سہارا تھا
تمہارے نام پہ لُٹنے لگے ہیں بے چارے(۱۱)

ہدایت نایافتہ معاشرے انسانیت کو محکومی، ناانصافی اور معاشرتی تفریق کے آزار بخشتے رہے ہیں مفلسی کی سزا کاٹتے ہوئے جواہر انسانی اور ظاہر وباطن کا تضاد پیدا کرنے والے نام نہاد فلسفوں نے اقدار کو جامد اور عقل وخرد کو بے ثمر رکھا یہ آپ ﷺ کی تعلیمات کا فیضان ہے کہ دنیا ایک عظیم فکری نظری اور عملی انقلاب سے دوچار ہوئی ندیم کی نعتیہ شاعری ان نکات کو دہراتی ہے اور فیضان محمدی کا ذکر اس نہج سے سامنے لاتی ہے کہ اسی انقلاب اور احیاء کی خواہش اور تحریک ایک باشعور ذہن میں ضرور جنم لیتی ہے ان کے ہاں ایسے اشعار کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔

جن کو دھندلا گئے صدیوں کی غریبی کے غبار
ان خد و خال کو سونے کی طرح چمکایا(۱۲)

قصر مر مر سے شہنشاہ نے ازراہِ غرور
تری کٹیا کو جو دیکھا تو بہت شرمایا(۱۳)

آج ہم فلسفہ کہتے ہیں جسے
وہ مساوات تھی عادت ان کی(۱۴)

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا(۱۵)

اگر غریب کو بخشے حقوق لا محدود
تو قصرِ شاہ کو بھی بے حصار تو نے کیا
جنھیں گماں تھے بہت اپنی سرفرازی کے
بہ یک نگاہ انھیں خاکساری تو نے کیا(۱۶)

ترے کمال مساوات کی قسم ہے مجھے
کہ تیرے دیں سے بڑا کوئی انقلاب نہیں(۱۷)

مساوات محمدیؐ کا یہ پرچار ظاہر کرتا ہے کہ صرف آنحضور ﷺ کے مثالی کردار کو رہبر بنا کر مثالی معاشرت کا خواب تعبیر پا سکتا ہے ندیم تفریق انسان کی تردید کرتے ہیں تو ان کی یہ فکر کسی سطحی یا یک رُخے ہنگامی نظریے کی زایدہ نہیں بلکہ آپ ﷺ کے اسوہ کامل سے ماخوذ ہے ترقی پسندوں کے مذہبی خیالات پر اُٹھنے والے سوالوں نے صحت مند فکر و شعور کے حامل شعرا کے فن کو بھی دھندلا دینے کی کوشش کی ندیم کے اشعار میں اس کا جواب بھی ہے۔

رنگ کی قید نہ قدغن کوئی نسلوں کی یہاں
جس کے در سب پہ کھلے ہیں وہ دبستاں تو ہے
میرے نقاد کو شاید ابھی معلوم نہیں
میرا ایماں ہے مکمل میرا ایماں تو ہے(۱۸)

نظریاتی وابستگی کبھی سچے فنکار کی تحدید کا باعث نہیں بنتی بلکہ آنے والے وقت میں اس کے افکار و خیالات آگہی کی بارش میں نکھرتے ہیں تو اس کی فنی قامت اور خدو خال کو اجال دیتے ہیں لہٰذا مذہب بیزاری تمام ترقی پسند شعرا کا وطیرہ نہیں رہی ہے سرشار صدیقی

ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

"جب تحریک میں مذہب کے خلاف ایلیمنٹ داخل ہوا تو اس وقت سے اس کا زوال شروع ہوا۔ اگر مذہب کے روشن خیال فلسفے کو ساتھ لے کر چلا جاتا تو آج حالات یقیناً مختلف ہوتے۔"(۱۹)

ترقی پسند شعرا میں نعت گوئی کے حوالے سے سرشار صدیقی ایک اہم نام ہے سرشار ابتدا میں عملاً اشتراکی اور انقلابی رہے ہیں عصری شعور، نظریاتی آگہی اور سیاسی مسلک کی پختگی ان کا خاصہ ہے سرشار نے شعر عقیدت کو "اساس" کا جو نام دیا وہ اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے دراصل یہ اپنی اساس کی جستجو ہی کا ایک سنگ میل ہے پیش لفظ میں کشفی صاحب نے اسے روح کا سفر اور شاعر کی سوانح" قرار دیا ہے مارچ ۱۸۸۴ میں حرمین کی حاضری کے بعد سرشار کی زندگی کو نئے جنم سے تعبیر کیا ہے کہ شعوری طور پر اسلام قبول کرنے کے بعد یہ سرشار کی نئی زندگی کا اعلامیہ ہے سرشار کی تقدیسی شاعری سے متعلق ان کی اپنی رائے بہت اہم ہے لکھتے ہیں:

"ہر چند کہ موضوع کے عتبار سے ان تمام نظموں کا مزاج مذہبی ہے لیکن میں نے اظہار کے لیے اپنی شاعرانہ طبع کے پیش نظر ان پر روایتی عقیدے اور رسمی عقیدت کے نفوذ کے تمام راستے مسدود کر رکھے ہیں مذہب کی محدودات کے نام پر شاعر کے بنیادی وظائف و مطالبات کو مجروح ہونے سے بچایا ہے اور روایتی ہیئت و اسلوب سے شعوری طور پر احتراز کرتے ہوئے خالصاً شعری زبان اور فطری لہجے میں بات کی ہے۔"(۲۰)

فن کی طرف یہ رویہ ترقی پسند سوچ کا غماز ہے لیکن یہ وہ ترقی پسند سوچ نہیں جو صرف تخریبِ روایت کی خواہاں ہو بلکہ اس سوچ کی نہج تعمیری اور وسعت آمیز ہے ان نظموں کی فکری بنیاد بھی سرشار کی اپنی رائے سے واضح ہے:

"یہ نظمیں میں نے اپنے وجود کی بازیافت اپنے عقیدے کی تجدید اپنے ایمان کی توثیق اپنی عبدیت کے اعتراف اور اپنے جذبے کی شہادت کے طور پر تحریر کی ہیں ہر شے اپنی اصل کی جانب رجوع کرتی ہے سو میں اس سوچ اس انداز فکر اور اس اسلوب اظہار کو اپنی اصل اور اصلیت کے سوا اور کیا نام دوں۔"(۲۱)

اس بات کی جھلک مدینہ منورہ میں لکھی گئی ایک نظم نصیب کی بات میں ملاحظہ ہو:

آئینے تبدیل ہوئے ہیں
یا میری صورت بدلی ہے
لوگوں کی حیراں آنکھوں میں
اپنا چہرہ دیکھ رہا ہوں
اور اسے پہچان رہا ہوں
کیا یہ میں ہوں؟
شاید میں ہوں
لیکن سوکھے پیڑ کی
ٹوٹی شاخ سے آخر
کونپل کیسے پھوٹی ہے؟
کیا قدرت بھی جھوٹی ہے؟[٢٢]

سرشار کی اس قلب ماہیت کو بالتفصیل بیان کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ایک فرد کی طرح کسی معاشرے کے ذہنی سفر میں بھی ایسے سنگ میل آسکتے ہیں جو درست منزل کے لیے صحیح موڑ کا پتا دیتے ہیں ترقی پسند تحریک کے جو گوشے تنقیص مذہب کی کثیف چادر تلے عفونت کا شکار ہو سکتے تھے ان کی بچت ایسے شعرا کی کاوشوں سے ہوئی جنھیں فکر کا مسلسل ارتقا نصیب رہا اور اپنے اصل کی طرف مراجعت نے انھیں نعتیہ شاعری میں وقیع اضافے کے قابل کر دیا یہ بات اہم ہے کہ اکثر ان شعرا کی نعتیہ شاعری میں اس المیے کا ذکر ملتا ہے کہ اسلام کو عملاً ایک مکمل ضابطہ حیات کے طور پر اپنانے اور اسلام کی روح کو پیکر زندگی میں دوڑانے کے بجائے کبھی اسے سیاست کا آلہ کار بنایا گیا کبھی دیگر اغراض اور مصالحتوں کے لیے اسلام کی جانب مشروط توجہ کی گئی سرشار صدیقی کی ایک نظم سے مثال دیکھیے:

مولا ہم پھر بولہبوں کی سازش کی یلغار میں ہیں
آقا ہماری دنیا میں پھر بوجہلوں کا نظام آیا ہے
حق کی صدائیں گونج رہی ہیں دل سچائی سے خالی ہیں
ساغر سب ہی نا پختہ ہیں جن میں بادہ خام آیا ہے

ملک خدا پھر تنگ ہے ہم پر آؤ پھر ان کو یاد کریں
پہلے بھی جب وقت پڑا ہے ان کا نام ہی کام آیا ہے
یوں مشق تبلیغ ہوئی ہے جاری آپؐ کی امت پر
جیسے ابھی اترا ہے قرآں جیسے ابھی اسلام آیا ہے (۲۳)

فیض احمد فیض کا شمار نعت گو شعرا میں نہیں لیکن فیض صاحب کے فکر و فن پر مذہب کے اثرات اسلوب، لفظیات اور تلازمات خیال سے بخوبی واضح ہیں کشفی صاحب نے اپنے مضمون ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' میں اس نکتے کے تحت چند شعرا کا مطالعہ پیش کیا ہے کہ جب بھی شاعر محدود سے لا محدود کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ حمد اور نعت کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ فیض صاحب سے ایک گفتگو کے حوالے سے اس مضمون میں فیض کے کچھ اشعار کو کشفی صاحب نے نعتیہ اشعار کے زمرے میں پیش کیا ہے۔ (۲۴)

شمعِ نظر خیال کے انجم جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں
ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک
ہر حرف تمنا ترے قدموں کی صدا ہے
رنگ و خوشبو کے حسن و خوبی کے
تم سے تھے جتنے استعارے تھے
یہ جفائے غم کا چارہ وہ نجات دل کا عالم
ترا حسن دست عیسیٰ تری یاد روئے مریم
سیکھی یہیں مرے دل کافر نے بندگی
رب کریم ہے تو تری رہگزر میں ہے

کشفی صاحب نے مندرجہ بالا اشعار کو زمرہ نعت میں لانے کا جواز فراہم کرتے ہوئے جو نکات پیش کیے ان کے جواب میں بھی تنقیدی نکات سامنے آئے اس تفصیل سے قطع نظر ذیل میں وہ نعت درج کی جا رہی ہے جو نسخہ ہائے وفا میں موجود ہے یہ نعت فارسی میں ہے:

اے تو کہ ہست ہر دل محزوں سرائے تو
آوردہ ام سرائے دگر از برائے تو
خواجہ بہ تخت بندہ تشویش ملک و مال
بر خاک رشکِ خسرو دوراں گدائے تو
آنجا قصیدہ خوانی لذات سیم و زر
ایں جا فقط حدیث نشاط بقائے تو
آتش فشاں ز قہر و ملامت زبان شیخ
از اشک تر ز درد غریباں ردائے تو
باید کہ ظالماند جہاں را صدا کند
روزے سبوئے عدل و عنایت صدائے تو(۲۵)

فیض کی یہ نعت ان کی ترقی پسند سوچ کی مظہر ہے ان کا دل انسانیت کے دکھوں پر ملول تھا اسی کیفیت میں نعت کی ابتدا ہوئی ہے مادہ پرستی اور حب رسول میں جو بعد پایا جاتا ہے دوسرے شعر میں اس کا اظہار ہے بالخصوص تیسرے شعر میں وہ فکری رنگ واضح ہے جس کا ذکر اس فصل کی ابتدا میں کیا گیا ان عناصر کی طرف یہ ایک اور اشارہ ہے جو ترقی پسندوں کے مذہب کی رائج صورتحال سے بیزار ہونے میں دخیل رہے ہیں سیرت کے اوصاف بے پایاں میں سے فیض نے عدل اور عنایت ہی کو منتخب کیا ہے اور یہ اظہار کیا ہے کہ آپ ﷺ کی عدل و عنایت کی طرف بلانے والی آواز پر ظالموں کو لبیک کہنا ہی پڑے گا۔

عارف عبدالمتین مثبت لہجے کے شاعر ہیں فکری اعتبار سے ان کی شاعری میں تلخی اور بیزاری کے بجائے جو نرم روی ہے وہ دقیق لفظیات میں بھی چھپتی نہیں ہے اردو اور پنجابی شعری مجموعوں کے علاوہ ان کا نعتیہ مجموعہ ’’بے مثال‘‘ ۱۹۸۵ میں شائع ہوا اپنے ایک مضمون میں عادت عبدالمتین نے نعت کو محبت و احترام کا دلآویز سنگم اور غیر معمولی دل و دماغ کا غیر معمولی اشتراکِ عمل قرار دیا ہے اور اس اہم نکتے پر بحث کی ہے کہ قدیم نعت گوئی میں تخلیقی فن اس حوالے سے متاثر ہوا کہ نعت جذباتی آمیختگی کی متوقع سطح کے حصول میں ایک مخصوص ضعف کی آئینہ دار بن گئی اور آنحضور ﷺ کی شخصیت کی لامحدود معنوی عظمتوں کا کماحقہٗ احاطہ نہ کر سکی۔ جدید نعت کے متعلق لکھتے ہیں:

”جدید نعت نے روایتی نعت کو اس مذکورہ تحدید سے آزاد کر کے ایک مجتہدانہ اقدام کیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جدید نعت جہاں آنحضور ﷺ سے جذباتی اور احساساتی تحریک کا فیضان حاصل کر کے اپنی فنی سطح کو ارفع تر بناتی ہے اور اس کی تخلیقی گرفت کو مضبوط تر بناتی ہے وہاں حضور ﷺ کی سیرت کے پیکر زریں سے اکتساب نور کرتی ہے اور ان کے کردار کے گوناگوں اوصافِ حمیدہ سے اور عمرانی حوالے سے ان کے افعال و اعمال کی نوعیت و وقعت کا ادراک کر کے آشوب ذات اور آشوب کائنات پر قابو پانے اور ان کا موثر باب کرنے کے طریقے نہ صرف خود سوچتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی سمجھاتی ہے اور یوں انفرادی و اجتماعی ہر دو سطح پر فروغ و ارتقاع کی راہیں کھول کر شخصی، قومی، مِلّی اور بالآخر انسانی نشوو ارتقا کے امکانات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے میں گراں قدر معاونت کرتی ہے۔“(۲۶)

عارف عبد المتین کی یہ آرا واضح کرتی ہیں کہ ان کے ہاں ترقی پسندی کے فکری عوامل اسلام اور آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے توانائی حاصل کرتے ہیں ان کے اکثر اشعار میں یہ ذکر شخصی حوالے سے ملتا ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کی سیرت مطہرہ سے محض جذباتی عقیدت نہیں رکھتے بلکہ فیضان حق سے مستنیر ہو کر یہ روشنی بانٹ دینا چاہتے ہیں۔

محنت سے پیار کرتا رہوں میں تری طرح
ہاتھوں میں میرے چمکتی کدال دے
مجھ کو بھی جبر سہنے کی توفیق کر عطا
مجھ کو بھی استقامت روحِ بلال دے(۲۷)

تیری رحمت اک سمندر کی طرح مجھ کو ملے
اور اس کو بے کسوں میں قطرہ قطرہ بانٹ دوں(۲۸)

میں بھی وقف ابتلا شعب ابی طالب میں ہوں
فتح مکہ کی بشارت مجھ کو بھی تو کر عطا(۲۹)

عارف عبدالمتین کی نعت میں محبت رسول ﷺ کے مضامین اور معجزات کے علمی و منطقی ذکر کے ایسے خوبصورت نمونے جابجا ہیں جن میں شعری حسن نہایت دلآویز ہے ایسی مثالوں کی ان کے کلام میں کمی نہیں لیکن ذیل میں ایسے اشعار بطور نمونہ درج ہیں جن میں ایک ترقی پسند انقلابی ذہن جھلکتا ہے۔

حدیث تیری عمل کا منشور بن کے ہر عہد میں عیاں ہو
ترے حوالے سے ہر زمانے میں اک نیا انقلاب دیکھوں [(۳۰)]

سن سن کے جس کو کروٹیں لیتا رہا جہاں
تیرا ہر اک سخن جرس انقلاب تھا [(۳۱)]

ابن آدم کے غموں نے مجھ کو بخشا تیرا کھوج
درد دل میں عکس تیرا کرب جاں میں تیرا گھر [(۳۲)]

زمانہ تیرے حوالے سے رخ بدلتا ہے
ہر انقلاب کی جاں انقلاب تیرا ہے [(۳۳)]

طائف کا سفر طے نہ کیا سنگ نہ کھائے
ہم کب تری سنت پہ چلے کوئی بتائے
کب قریہ ظلمت میں لہو اپنا بہایا
کب رنگ ترے ہم نے رگ جاں میں رچائے [(۳۴)]

اور جتنے بھی سہارے ہیں سبک کرتے ہیں
عزت نفس بڑھاتا ہے سہارا تیرا [(۳۵)]

عارف عبدالمتین کی نعت گوئی جس گہرائی اور تاثر سے ہمکنار ہے وہ ان کے اسی تخلیقی و تنقیدی شور کی بدولت ہے جو ان کی نگارشات میں موجود ہے ایک بڑا فنکار اپنے

حرف و خیال کو یونہی پیوست رکھتا ہے وہ آنحضور ﷺ کی لامحدود عظمتوں کے ادراک کو نعت کا منصب سمجھتے ہیں ان کا یہ سفر بے سمت نہیں شاعر کی ذات یہاں ایک استعارہ بن جاتی ہے جو آدمیت سے آنحضور ﷺ کے بے مثال ان مٹ تعلق کے فیضان کو اجاگر کر رہا ہو۔

تو شر کے عرصۂ تیرہ میں خیر کا سالا
مجھے یہ فخر کہ میں بھی تری سپاہ میں ہوں(۳۶)

جس کا ورق ورق ہے ترے پیار کی حدیث
میں آدمی کے روپ میں ایسی کتاب ہوں(۳۷)

میں جب بھی راہ صداقت سے ہٹنے لگتا ہوں
خیال روکتا ہے مجھ کو ناگہاں تیرا(۳۸)

ترقی پسند شاعروں میں قتیل شفائی کا نام گیت نگاری میں بہت اہم ہے غزل اور نظم میں بھی قتیل اپنا ایک رنگ اور اسلوب رکھتے ہیں اخیر عمر میں انھوں نے نعتیہ کلام کہا جو ''نذرانہ'' کے نام سے شائع ہوا اگرچہ مذہبی رویے کے حوالے سے ترقی پسندوں کے متعلق دی جانے والی آرا سے قتیل بھی محفوظ نہیں لیکن وہ نعت نبی کو سب سے بڑی صنف سمجھتے تھے نعت گوئی کو اپنے لیے اور دیگر شعرا کے لیے باعث افتخار سمجھتے تھے ان کے ہاں حمد و نعت کے مضامین میں اعتدال اور توازن ہے۔ حمد و نعت کے حامل مشترک کلام میں بھی حدِفاصل قائم رہتی ہے۔ قتیل نے متنوع ہیئتوں میں نعت کہی مضامین کے حوالے سے ان کی نعت میں شہر نبی ﷺ کا سرُور آپ کے معجزات کا ذکر آپ کے سیرت و کردار کا ذکر ملتا ہے نیز شعری جمالیات کو بھی ملحوظ رکھا ہے چونکہ قتیل ترقی پسند شاعر تھے لہٰذا ان کے نعتیہ اشعار بھی اس فکر سے خالی نہیں کہ انسانیت کو حق و صداقت عدل و مساوات اور جمہوریت کا اولین درس نبی کریم ﷺ سے حاصل ہوا۔

جو بھی کسی کا حق تھا وہ حق آپ نے دیا
جمہوریت کا پہلا سبق آپ نے دیا
ہر شخص کو بنا دیا موسیٰ کا جان نشیں
فرعون وقت کو یہ قلق آپ نے دیا(۳۹)

قمر اجنالوی کے مجموعے بنام ''خیر الانام'' میں قتیل شفائی کی یہ رائے درج کی گئی ہے جو نیشنل سینٹر سرگودھا میں کی گئی تقریر سے مقتبس ہے:

''ترقی پسندوں پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ مذہب سے بیگانہ ہیں یہ بات سراسر غلط اور مفروضہ ہے قمر اجنالوی کا یہ نعتیہ قصیدہ مذہب سے وابستگی اور عقیدت کا مظہر ہے میں اس قصیدے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ جناب قمر اجنالوی کی کاوش قابل ستائش ہے کہ جو کام ہم نہ کر سکے وہ قمر صاحب نے کیا''[۴۰]

قمر اجنالوی کے نعتیہ لب و لہجے میں ایک گھن گرج اور بلند آہنگی ہے الفاظ پُر شکوہ استعمال کرتے ہیں عالمی منظر نامے میں جس انقلاب کی توقع اور ضرورت محسوس کی جا رہی تھی انھوں نے اس عصری ادراک کی بدولت سرکار دو عالم ﷺ کی ذات و تعلیمات سے منسلک ہونے کو اس انقلاب کی بنیاد قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر عبد السلام خورشید نے بھی اس سمت اشارہ کیا ہے کہ اس مجموعے کے نعتیہ کلام میں عالمی تناظر میں دارا و نادار کی کشمکش کا تذکرہ بھی موجود ہے دور حاضر کے معاشی تقاضوں کا شعور بھی موجود ہے۔

جس نظم کو قمر صاحب نے نعتیہ قصیدہ کا نام دیا ہے یہ قصیدے کی مروجہ خارجی ہیئت نہیں مگر معنوی اعتبار سے مدح کا عمدہ نمونہ ہے آغاز میں استغاثہ کا رنگ ہے نبی ﷺ کے نام پیام لکھنا چاہتے ہیں جس میں اپنی حالت ''برنگ اہل کلام'' درج ہو کج رفتاری زمانہ کا ذکر کرتے ہیں تو یکدم دل میں اپنی بساط اور ان کے مقام کا خیال آتا ہے حضور ﷺ کی ذات قدس کے فضائل و مراتب تزک و احتشام سے بیان کرتے ہیں۔ آپ کے فیض سے انسانیت جس طور مطہر ہوئی اس کا ذکر کرنے کے بعد زوال امت کی کہانی پھر سے شروع ہوتی ہے امت کی بے سمتی، تفرقہ بازی، علم و عمل کی پسماندگی کو بتاتے ہوئے تلمیحات تسلسل سے وارد ہوئی ہیں شاعر کا تاریخی و تہذیبی شعور نظم کے مختصر بندوں میں قرنوں کو سمیٹ رہا ہے مذہب، سیاست، ثقافت، معاشرت، تمدن، علوم و فنون، سب کی حالت واضح ہے مسلم امہ کا فکری انتشار عالمی طاقتوں کی حِیلہ سازی جس ہوس پرستی بے حسی اور خود غرضی کو جنم دے چکی ہے شاعر اس کے مٹانے کو بارگاہ رسالت میں چشم کرم کا طالب ہے۔

یہ طویل نظم ۹۹ بندوں پر مشتمل ہے ذیل میں منتخب کیے گئے بند ملاحظہ ہوں جن سے ظاہر ہے کہ شاعر جس ترقی پسند نظریۂ ادب کا حامل ہے اس کے عناصر شاعر کی تخلیقی

شخصیت کا جزو ہونے کے باعث نعتیہ کلام میں بھی موجود ہیں:

بیاں کرو حالت زمانہ
غریب کو فکر دام و دانہ
یہ زندگی اسپ و تازیانہ
ہے دست زر میں لگام لکھو

قمر نبیؐ کو پیام لکھو

اٹھائے محنت کشوں نے پرچم
جبین سرمایہ دار برہم
لہو میں رقصاں ہے نسل آدم
یہ کشمکش ہے مدام لکھو

قمر نبی کو پیام لکھو(۴۱)

ہے جنگ سرمایہ رنگ و بو سے
نہ اتری زنجیر غم گلو سے
غریب و مزدور کے لہو سے
زمیں ہوئی لالہ فام لکھو

قمر نبیؐ کو پیام لکھو

یہ ظلم و دولت کا دور کب تک
یہ مُزد و محنت پہ جور کب تک
ستم یہ انساں پہ اور کب تک
مٹے گا کب یہ نظام لکھو

قمر نبی کو پیام لکھو(۴۲)

ہوں دور ہر ظلم کے اندھیرے
بلند ہوں امن کے پھریرے

چڑھیں مساوات کے سویرے
جہاں کا بدلے نظام لکھو

قمر نبی کو پیام لکھو[۴۳]

دیگر کلام میں بھی قمر صاحب نے عقیدت کے پھول پیش کرتے ہوئے پیہم یہ اعتراف کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جہان کو جس رحمت و مساوات سے نوازا آگہی کا جو نور عام کیا ہم اس سے مکمل فیض نہ پاسکے ہمارے قدم ڈگمائے اور شر دوبارہ ہم پہ حاوی ہونے لگا دنیا سے جو فرسودہ نظام انسانیت کے شایان نہ ہونے کے باعث مٹائے گئے تھے وہ بصورتِ نَو ظاہر ہونے لگے قمر صاحب کے کلام میں ترقی پسند نظریہ ادب کا تعلق عمدگی کے ساتھ تعلیماتِ رسولؐ سے جوڑ گیا ہے۔ایک نظم کا آخری حصہ دیکھیے:

ترے شعور نے جو راستے تراشے تھے
وہ راستے ہیں حوادث کی زد میں آئے ہوئے
تری نظر کی تجلّی نے جن کو توڑا تھا
وہی صنم ہیں یہاں کا کلیس بچھائے ہوئے
ستیزہ گاہ جہاں میں ابھی نہیں ٹوٹا
طلسم ہیبت سلطان رعب چنگیزی
نظام زر نے نئے پیکروں میں ڈھالا ہے
جلال قیصرو کسریٰ ، شکوہ پرویزی
نئے افق پہ ابھرتی ہوئی تجلّی کو
سیاہیوں نے نئے زاویے سے گھیرا ہے
طلوع ہو کے رہے گی مگر بہار سحر
اگرچہ دل پہ ابھی ظلمتوں کا ڈیرا ہے
ترا پیام جہاں کو سنا کے دم لوں گا
تمیز بندہ و آقا مٹا کے دم لوں گا[۴۴]

اس مجموعے میں ذکر صیام کے عنوان سے تیس قطعات لکھے گئے ہیں اس کے بعد ’’حضور ساقی کوثر‘‘ کے عنوان سے بھی اسی طرح پہلا روزہ دوسرا روزہ تیسرا روزہ کے

عنوانات کے تحت مزید تیس قطعات شامل ہیں یہ کلام بھی محض نعرہ عقیدت نہیں بلکہ معاشی جبر کی فریاد اور سرمایہ دار کی نفع خوری لالچ اور ہوس کے بخشے ہوئے تحفہ گرانی کا ذکر ہے جو کہیں پنہاں اور کہیں عیاں ہے۔

افتخار عارف کا شمار ان شعرا میں ہے جن کی ترقی پسندی نعت گوئی کو سرمایہ افتخار سمجھنے میں مانع نہیں ہوئی بلکہ وہ خاکِ درِ حسّان کو سرمہ جانتے ہیں اور نعت کے اسباق انھیں خوب ازبر ہیں سرکار مدینہ کے حضور وہ جس والہانہ عقیدت سے کیفیات حضوری رقم کرتے ہیں وہ رسمی نہیں بلکہ گہرے شخصی تعلق پر مبنی ہے افتخار عارف کے ہاں ابعادِ رسالت کو لفظوں میں سمونے کی سعی جمیل جابجا دکھائی دیتی ہے۔

عہد میثاق ازل خلق میں دہراتا کون
میرے سرکار نہ سمجھاتے تو سمجھاتا کون (۴۵)

کائنات اور خدا کے تعلق کے بیچ رسول اللہ ﷺ کی ذات وہ منبعِ نور ہے جو دونوں طرف کے معارف کو اجاگر کر رہا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات وہ عالمگیر اور ابدی وسیلہ ہدایت ہے جو نور حق سے انسان کا ربط قائم کیے ہوئے ہے افتخار عارف کی درج ذیل نعت میں خاتم النّبیین کی بعثت، سیرت اور ابدی پیغمبری کو جس کینوس پر پیش کیا گیا ہے وہ لاجواب ہے:

سبیل ہے اور صراط ہے اور روشنی ہے
اک عبد مولیٰ صفات ہے اور روشنی ہے
کتاب، کردار ساتھ ہے اور روشنی ہے
درود جزو صلوۃ ہے اور روشنی ہے
میان معبود و عبد میثاق نور کے بعد
نظر میں بس ایک رات ہے اور ایک روشنی ہے
حضور مکے میں جا رہے ہیں کتاب کے ساتھ
کتاب ہی میں نجات ہے اور روشنی ہے
رفیق اعلیٰ کا حکم ہے اور کتاب دائم
ابد تک اب ان کی ذات ہے اور روشنی ہے

غلامیِ افتخار عارف پہ مہر خاتم
ثبوت فرد نجات ہے اور روشنی ہے(۴۶)

افتخار عارف کے نعتیہ کلام میں اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی کو اعتبار حیات قرار دیا گیا ہے حضور ﷺ سے وابستہ پاکیزہ ہستیاں جو آپ کے اخلاق و کردار میں ڈھل جانے کی تمنا ہی پر فائز رہی ہیں ان کا ذکر بھی افتخار عارف کی نعت میں ملتا ہے پیغام صداقت کو اجاگر کرتے ہوئے وہ ان اصحاب کو برابر موضوع بناتے ہیں جو اہل فقر اور مستغنی ہیں ابو ذر غفاری کے لیے ایک نظم ملاحظہ ہو:

سلام ان پر درود ان پر
وہ کہہ رہے تھے
زمیں نے بوجھ ایسے آدمی کا نہیں اٹھایا جو تم سے سچا ہو اے ابوذر
سبھی یسار و یمین تصدیق کر رہے تھے
تمام اہل یقین تصدیق کر رہے تھے
سلام ان پر درود ان پر
مگر زمانے نے یہ بھی لکھا
وہی مدینہ ہے اور ابوذر ہیں اور منبر ہے اور منبر کا فیصلہ ہے
اور اب جو منبر کا فیصلہ ہے وہ قول صادق سے مختلف ہے
جو قول صادق سے مختلف ہے وہ فیصلہ میرے اور منبر کے درمیان
اک سوال بن کر ٹھہر گیا ہے
بہت زمانہ گزر گیا ہے مگر ابوذر نگاہ میں ہیں
پسِ کمیں گاہ جب زور آوروں کی
سازش کے سارے منظر نگاہ میں ہیں
دمشق و بغداد و قرطبہ کے سلاسل مصلحت کی بخشش
پہ پلنے والے تمام منبر
نگاہ میں ہیں
جہانِ مظلوم خوابِ دیگر کا منتظر ہے
نیا زمانہ نئے ابوذر کا منتظر ہے(۴۷)

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے افتخار عارف کو عمومی ترقی پسندوں سے مختلف قرار دیتے ہوئے ان کی شاعری میں اس عنصر کی نشاندہی کی ہے کہ ان کے ہاں سر فروشی کے کھو کھلے ادعا کے بجائے مفاہمت پر ندامت کا احساس اور یہ خود احتسابی کی کٹھن راہ کو اپنانے کا ثمر ہے محولہ بالا نظم کے حوالے سے کشفی صاحب لکھتے ہیں:

"اسلامی انسان دوستی کے مثالی تصورات کو نامساعد ترین حالات میں اپنی اور اپنے عصر کی عملی زندگی میں جلوہ گر دیکھنے کی تمنا میں حضرت ابو ذر نے جس استقامت ایثار اور عشق رسول کی مثال پیش کی ہے افتخار عارف اسے عصر اور زمان آئندہ کے جبر و استبداد سے نجات دلانے کے جہاد میں سر چشمہ فیضان سمجھتے ہیں اس طرح رنگ و نسل کے جاہلی تعصبات سے عہد حاضر کو آزاد دیکھنے کی تمنا افتخار عارف کو اس دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل کے انقلابی کردار کی ایک بار پھر تحسین کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جس نے غبار راہ کو فروغ وادی سینا بخشا تھا یعنی جس نے گری پڑی ٹھکرائی ہوئی مخلوق سے محبت کو اللہ کی عبادت کا بلند ترین درجہ قرار دیا تھا اور حضرت اسامہ بن زید کو جو ایک آزاد غلام تھے لشکر کا سردار مقرر کیا۔ عرب کے قبائل ممتاز ترین نمائندہ کو ان کی اطاعت پر مجبور کیا اور یوں نام نہاد سردارانہ نخوت سے رہا کر کے انسانی مساوات کی عملی تربیت دی تھی۔"(۴۸)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افتخار عارف کی نعت گوئی کی بنیاد کس مربوط اور مستحکم نظام فکر پر ہے اسی سبب سے ان کی نعتیہ شاعری کی خاص فضا ان کی پہچان بن گئی ہے اس فضا کا تاثر چونکا دینے والا نہیں بلکہ کیف آفرین ہے آنحضور ﷺ کی ذات مبارک کو وہ جب حوالوں سے بیان کرتے ہیں ان کے اسلوب میں جو آہنگی موجود ہے وہ قاری پر بیک وقت آگہی اور سرمستی کا عالم طاری کرتا ہے۔

چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

مدینہ و نجف و کربلا میں رہتا ہے
دل ایک وضع کی آب و ہوا میں رہتا ہے(۴۹)

جہان کن سے ادھر کیا تھا کون جانتا ہے
مگر وہ نور کہ جس سے یہ زندگی ہوئی ہے[(۵۰)]

جو ان کے جادہ رحمت سے منحرف ہو جائیں
زمانے ان کو کبھی محترم نہیں کرتے[(۵۱)]

بلال و بوذر و سلمان کے آقا ادھر بھی
بدل جاتی ہے جس سے دل کی دنیا وہ نظر بھی[(۵۲)]

بطرز مختلف اک نعت لکھنا چاہتا ہوں
میں ساری نعتیں اک ساتھ لکھنا چاہتا ہوں[(۵۳)]

حمایت علی شاعر نے نعتیہ کلام میں حسن اور توازن کو ملحوظ رکھا ہے ان کی تشبیہات لطیف اور نفیس ہیں آپ کی بدولت مقام آدمیت کا ذکر وہ پیہم کرتے ہیں:

اک شخص کائنات کا محور کہیں جسے
بندہ ہے لیک بندۂ اکبر کہیں جسے
جس کی زباں سے میرے خدا نے سخن کیا
اُمّی وہ آبروئے سخن ور کہیں جسے
وہ جس نے مشت خاک کو انسان بنا دیا
وہ ناخدا ، خدائی کا مظہر کہیں جسے[(۵۴)]

وہ دنیائے علم و عمل میں اتباعِ رسول کی فرضیت کو سمجھتے ہیں جہل انسانی کی ظلمتیں تبھی دور ہوں گی جب آپ کے نقش قدم سے روشنی لی جائے گی۔

اسرار کائنات کا عقدہ کشا وہی
وہ راز دان وسعت کون و مکان علم
ہم جستجوئے حق میں رواں اس کے سائے سائے
ہم کو اسی کے نقش کفِ پا نشان علم[(۵۵)]

حمایت علی شاعر کی نظم محاسبہ امت مسلمہ کا آئینہ ہے جو حالات حاضرہ کے تناظر میں بے درک و بصیرت مسلمانوں کا عکس دکھا رہا ہے ہم نے حیات نبی سے جینا سیکھا اور نہ معجزات نبی کے بھید ہی سمجھے بے عملی کے باعث بے سمتی ہمارا مقدر ہوئی شاعر حضور کے آگے اس احساس ندامت میں غرق ہے کہ پیغام حق کی روح تک ہم نہ پہنچ سکے انسان کے مقام اور مقصد تخلیق کو نہ جان سکے بے حسی کا یہ عالم ہے کہ اپنی اسلامی روایات و تاریخ سے کٹ کر ہمیں کوئی خجالت نہیں یہی ہر امتی کی فرد عمل ہے جسے لیے ہوئے وہ بارگاہ میں فیصلے کا منتظر ہے نظم سے چند مثالیں دیکھیے۔

دہائیوں سے نچوڑا تھا جس اکائی کو
اب اس اکائی سے آمادۂ نبرد ہوں میں
بچھا رکھی ہے جو اک دست مکر نے ہر سو
اسی بساط سیاست پہ ایک فرد ہوں میں
وہی عقائد افسوں زدہ وہی اسطور
بدل کے شکل میری عقل کے ہیں ہم سایہ
کھلے تو کیسے کھلے مجھ پہ معنیِ اقرا
کہ میرے علم پہ ہے میرے جہل کا سایہ
میں کس کے نام لکھوں یہ ستم کہ اہل کرم
فقر و صوفی و ملا ہیں برہمن بھی نہیں
میں فکر بوذر و صبر حسینؑ کا ورثہ
گنوا چکا ہوں تو ماتھے پہ اک شکن بھی نہیں (۵۶)

نظم ''میں جس کا مداح خواں ہوں'' میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ آنحضور کی ذات ہی کہ بدولت خدا کی عظمت و حقیقت کا نور انسان کے لاشعور اور شعور میں جاگزیں ہوا حیات و موت فنا و بقا کے معارف آپ ﷺ نے سمجھائے اور آپ ﷺ ہی کی بدولت کائنات میں انسان کی مرتبت اور مرکزیت واضح ہوئی۔

اس نے کہا کہ برتر و افضل ہے آدمی
ہر شے ہے نا تمام مکمل ہے آدمی

ہر آدمی کے دل میں خدا کا وجود ہے
یہ آدمی ہے جس کے لیے ہست و بود ہے
انسان کے حق میں اس کا یہ فرمان بھی ہے عظیم
میں جس کا مدح خواں ہوں وہ انسان بھی ہے عظیم (۵۷)

حمایت علی شاعر نے سات سو سالہ نعتیہ شاعری کا انتخاب ''عقیدت کا سفر'' کے نام سے تالیف کیا جس کی ابتدا میں شامل مختصر تحریر نعت کے حوالے سے مصنف کے پختہ تنقیدی و تاریخی شعور کی عکاس ہے انھوں نے ان نکات پر روشنی ڈالی ہے کہ اسلامی معاشرہ تاریخ کے بہاؤ میں بدلتی ہوئی اقدار کو مقامی روایات سے بالکل جدا نہیں رکھ سکا اسلام میں خدا قرآن اور رسول کا مثلث جن حدود کا تعین کرتا ہے شعرا نے اس بنیادی مثلث پہ ایمان رکھنے کے باوجود ارتفاع اور عمق کی تلاش میں حد سے تجاوز کیا شاعری کے بادشاہی کے زیر اثر پروان چڑھنے کے باعث قصیدہ نگاری کی بدعتیں بھی نعتیہ شاعری میں پیدا ہو گئیں البتہ اقبال نے اس رمز کو سمجھا کہ عبدیت، بشریت کی اکملیت کا استعارہ ہے اگرچہ حمایت علی شاعر نے ابتدائیے میں لکھا ہے کہ ان کا موضوع نعتیہ شاعری کا عہد بہ عہد محاکمہ نہیں لیکن پھر بھی ان کی یہ تحریر کسی محاکمے سے کم نہیں جس کا کم از کم ایک اقتباس یہاں ناگزیر ہے جو مصنف کی مجتہدانہ سوچ کا مظہر ہے:

''وہ علم اول جو حضرت آدم کی معرفت خدا نے انسان اور صرف انسان کو عطا کیا ہے غور کیا جائے تو امی تا اقرا اسی علم اوّل کے استعارے کی بازگشت ہے اور آنحضرت کا سینۂ اقدس جس میں قرآن اتارا گیا اسی علم کا شہر ہے جو دونوں عالم کے لیے رحمت بن کر ہمارے درمیان آباد کیا گیا تا کہ ہمارے دل و دماغ پر آگہی کے دروزے کھول دیے جائیں اور ہم عہد بہ عہد اپنی مجتہدانہ فکر اور مجتہدانہ عمل سے جسے میں سائنسی علوم سے تعبیر کرتا ہوں بشریت کے اس مقام تک پہنچے کی کوشش کریں جو عبدیت کا منتہا ہے آنحضرت کے فکر و عمل سے یہ نکتہ ہم اسی وقت اخذ کر سکتے ہیں جب ہمیں ان کی شخصیت کی عظمت کا معنوی ادراک حاصل ہو ہمارے بیشتر نعت گو شعرا میں اسی ادراک کی کمی کا احساس ہوتا ہے جو کچھ کہا گیا ہے اپنی تمام تر محبت اور عقیدت کے باوجود عموماً

رسمی اور سطحی سا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ خود غرضانہ اور جامد فردیت یعنی نفسی نفسی کا شکار ہے تو شاید غلط نہ ہو گا ہمارے عہد کی خوش نصیبی ہے کہ اقبال جیسا شاعر ہمیں نصیب ہوا جس نے مذہبی عقائد پر بھی ہمیں سائنسی انداز میں سوچنے کا حوصلہ دیا اور ایسی نعتیہ فکر عطا کی جو شخصیات کے معنوی ادراک کا در باز کرتی ہے اور ہمارے شعور پر رسول اکرم کی عظمت کے نئے افق روشن کرتی ہے۔"(۵۸)

امین راحت چغتائی نے نعت گوئی میں جدت، وسعت، حسن، اظہار اور پاس ادب سے کام لیا ان کی ترقی پسندی مذہب اور اخلاقیات سے مستفیض ہے ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد لکھتے ہیں:

"وہ ترقی پسند تحریک سے متاثر ہی نہیں بلکہ اس کا حصہ بھی رہے مگر ان کی ترقی پسندی اخلاقیات اور مذہب سے تواتر و تسلسل کے ساتھ کسب فیض کرتی رہی انھوں نے غزل اور نظم کے ساتھ ساتھ نسبتاً جدید شعری اصناف ہائیکو اور سین ریو میں بھی کلام کہا اور اپنے عصری مسائل و میلانات کو نہایت مہارت اور ہنر مندی کے ساتھ شعری لباس عطا کیا ان کی نعت جدید اردو نعت میں اپنے موضوعات کے پھیلاؤ اور تکنیک کے دلآویز زاویوں کے ساتھ نمایاں دکھائی دیتی ہے۔"(۵۹)

امین راحت چغتائی کے ہاں نعت فکری اظہار سے زیادہ روحانی تجربے کی غماض ہے آپ ﷺ کی نبوت اور اوصاف حمیدہ کے درجہ کمال کا اعتراف وہ بے حد نیاز مندی سے کرتے ہیں "محراب توحید" ان کا مجموعہ نعت ہے پیش گفتار میں احمد ندیم قاسمی نے امین نے راحت چغتائی کی نعت کو اردو نعت کی مسلسل ارتقا پذیری کی شاہد قرار دیا ہے پھر لکھتے ہیں:

"غالب کے کلام کی کلید آئینہ ہے اقبال کے ہاں فقر اور خودی کے الفاظ بار بار وارد ہوتے ہیں۔ امین راحت چغتائی کی نعتوں میں نقش پا اور نقش کف پا کے الفاظ متعدد بار استعمال ہوئے ہیں دراصل یہ الفاظ عقیدت کی انتہا کے مظہر ہیں۔"(۶۰)

اس رنگ کی چند مثالیں دیکھیے:

میں بھلا جادۂ منزل سے بھٹکتا کیونکر
میری نظروں میں رہا نقش کفِ پا تیرا (۶۱)

تیرے قدموں کے بھی ذرات ہیں آئینہ بدست
کاش اس آئینے میں اپنا سراپا دیکھوں (۶۲)

مری لوح جبیں پہ روشنی تیری اطاعت سے
ترے قدموں سے اپنے آپ کو کیسے جدا لکھوں (۶۳)

اک ہم کہ محبت کا کوئی نہ چلن سیکھا
بخشی ترے قدموں نے ذروں کو ہم آغوشی (۶۴)

امین راحت چغتائی کی نعتیہ نظم "محراب توحید" جدید نعت کا نہایت خوبصورت نمونہ ہے شاعر کا تخیل آگہی کے سرچشموں کی سیر کراتا ہے نعتیہ شاعری کی عظیم اولین عربی روایت کے تتبع میں آغاز کرتے ہوئے نظم کا فکری آہنگ حرف بہ حرف بڑھتا جاتا ہے اور اس صداقت کو اجاگر کرتا ہے کہ خلد طیبہ کی خوشبو صرف کیف و مستی نہیں بلکہ زندگی ہے آگہی ہے اک پیام عمل ہے مکمل نظم دیکھیے:

کبھی وادی ذی سلم میں کاظمہ کا مسافر
کبھی قریہ آل عذرۃ کا زائر
کہ آثار کہنہ میں قائم نقوش وفا ڈھونڈتا ہوں
کبھی بان کے جھنڈ میں ایک بوڑھے شجر سے لگائے ہوئے ٹیک
اس حسن و خوبی کے لمس منور کو چشم تصور سے جب دیکھتا ہوں
تو بوڑھا شجر جسم کی جھریوں میں سعادت کی کرنیں لیے
اپنی بانہوں میں لے کر مجھے بھینچتا ہے
نگاہوں کو پاکیزگی فہم وادراک کو روشنی بخشتا ہے

سماعت نکھرتی ہے جب شوق کے مرحلوں میں
تو ہر گام پر ایک آواز سے چونکتا ہوں
یہ آوازیوں تو مسافت کا منشور بھی ہے
مقام خودی تک پہنچنے کا اسلوب بھی ہے
یہ آواز کانوں میں گونجتی ہے
''میں فرزانگی ہوں میں دیوانگی کی روایت سے ناآشنا ہوں
میں وارفتگی سجدہ ریزی نہیں، اہتمام قیام و عمل ہوں
نگاہیں اٹھا ہوش سے چل
یہاں ہوش سے چل
کہ منزل قریں ہے
کہ منزل قریں ہے''
میں اب صاحب بدر کبریٰ کے دربار میں ہوں
میں بیدار ہوں ہوش کی آنکھ سے دیکھتا ہوں
ضریح مبارک تلک ہاتھ جاتے تو ہیں اس کو چھوتے نہیں ہیں
کہ یہ ہاتھ شائستۂ بارگاہِ رسول خدا کب رہے ہیں
میں کیا ایسے ہاتھوں سے مانگوں دعائیں
جو فرد عمل کی سیاہی کے غماز بھی ہیں
مرے لمحے لمحے کے ہمراز بھی ہیں
میں گردن جھکائے گریباں میں جب جھانکتا ہوں
تو احساس عصیاں سے آنکھیں چھلکتی ہیں اور سوچتا ہوں
کہاں میں کہاں خلد طیبہ کی گلیاں
جہاں ہر قدم پر چٹکتی ہیں کلیاں
کہاں میں کہاں خلد طیبہ کی خوشبو
کہ جو کیف و مستی نہیں، زندگی آگہی اک پیام عمل ہے

میں سجدہ گہ صدق و محراب توحید کے روبرو ہوں
قیام و عمل کے بھی آداب ملحوظ ہیں
بار احساں سے سر بھی جھکا جا رہا ہے
کہ یہ وہ مقام طلب ہے
جہاں بے طلب بھی خدائے پیغمبر نے کیا کچھ نہ بخشا"(۶۵)

مجلّہ "فنون" میں اس نعت کی اشاعت کے وقت مدیر رسالہ احمد ندیم قاسمی اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"میں چاہتا ہوں کہ نعت گوئی کی روایت میں حقیقت پسندی اور متوازن عقیدت کے اظہار سے اصلاح کی جائے اور آپ لوگ ایسا ہی کر رہے ہیں۔"(۶۶)

امین راحت چغتائی کو اپنے علم عقل اور وجدان کے اظہار کے موافق اسالیب اور الفاظ بھی ودیعت ہوتے ہیں ان کی تراکیب معنوی وسعت کی حامل ہیں طویل شعری ریاضت نے انھیں وہ فنی پختگی عطا کر دی تھی جو نعت گوئی کے لیے بنیاد کا کام کرتی ہے اور نعت گو کو ادبی روایت میں منفرد مقام اور تشخص سے نوازتی ہے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کے بقول امین راحت چغتائی نے کائنات تاریخ اور جغرافیہ کو مدحت سرکار کا حصہ بنا دیا نیز ان کے ہاں مدینہ کا ذکر ایک زندگی ساز اور حیات آفریں قوت کے طور پر ہوا ہے۔(۶۷)

امین راحت چغتائی کی نعتیہ شاعری ان کی شخصیت کی راستی اور استقامت کی عکاس ہے ان کے قلب ذہن میں مقام رسالت اور اتباع رسالت کے تصورات یوں نقش ہیں کہ یقین محکم ان کے لہجے کا خاصہ بن گیا ہے مثالیں ملاحظہ ہوں:

ظلمتیں رات کی ہوں کہ تقدیر کی ان کے اسباب کی فکر کیوں ہو مجھے
نام ہونٹوں پہ جب بھی تر آ گیا ضوفشاں میرے دیوار و در ہو گئے(۶۸)

تو سِرّ کائنات و مرادِ شعورِ نور
تجھ سے ملے نظر تو نوید سحر ملے(۶۹)

تو منزل مراد بھی شوق سفر بھی تو
میں اور میرے ساتھ امنگوں کے قافلے(۷۰)

شاہدِ سرِ ماورا بھی تو
حرف تو نکتہ حرِا بھی تو(۷۱)

اس کی ہر بات برہانِ قاطع
وہ یقیں کیا عین الیقین ہے(۷۲)

سیرتِ محبوبِ داور ایک پیغامِ ابد
غیر کے آگے جھکیں یہ عشق کا حاصل نہیں(۷۳)

امین راحت چغتائی نے تنقید نعت کے ضمن میں ذمہ دارانہ کردار ادا کیا ہے جہاں نعت کے متعلق اظہارِ خیال کیا ہے وہاں ان کی گفتگو مدلل اور مبنی بر حقائق ہے ان عناصر نے انھیں با اعتماد لہجہ بخشا ہے ان کے مضمون ''مشکلاتِ نعت'' میں نعت کے متعلق بڑے اہم نکات بیان ہوئے ہیں مضمون میں محولہ آیات قرآنی کی روشنی میں نعت گو شعرا کو نعت رسول کے قرآنی خطوط سے آگہی واستفادے کی تلقین کی ہے اور اہم ترین بات بیان کی ہے کہ قرآن کا مطالعہ نعت کے خدو خال جاننے کے لیے ضروری ہے اس کے بعد احادیث کا مطالعہ ضروری ہے نیز آنحضور کی سیرت سے مستند واقعات کی روح سے نعت کے مضامین ماخوذ ہونے چاہیے نیز مضمون کے آخر میں انھوں نے نعت کو خانقاہی مزاج سے نکالنے کے لیے غزل کے بجائے پیرایہ نظم میں منفرد علامات اور وسعت خیال کی بدولت سیرت رسول اور آیات قرآنی کی روح کو سمیٹنے کی تجویز دی ہے۔(۷۴) گویا ترقی پسند شعرا کا نعتیہ کلام ہی نہیں بلکہ نعتیہ تنقید بھی ایک انقلابی آہنگ رکھتی ہے۔

ترقی پسند تحریک کے اہم رہنما ظہیر کاشمیری ہمیشہ آمریت کے مخالف اور مصلحت سے گریزاں رہے انھوں نے قلیل مقدار میں نعت کہی ہے جس میں آپ کی سیرت و تعلیمات میں عدل وانصاف اور مساوات کے عناصر کو اجاگر کیا ہے۔

خاکی بھی تمنائی ہوا خلد بریں کا
مٹی ہے کہیں کی تو ارادہ ہے کہیں کا
تو سطوت شاہاں کے لیے تیغ مکافات
تو مونس و ہمدرد ہر اک جان حزیں کا
تو مظہر انصاف ہے تو روح مساوات
کیا وصف بیاں ہو تیرے اوصاف امیں کا
جب سے میں ہوا اس گل خوبی کا ثنا خواں
دامن ہے شگفتہ مرے شعروں کی زمیں کا[۷۵]

سحر انصاری کی نعت گوئی نظریے سے زیادہ عقیدت کے تابع ہے در حضور پہ حاضری کی خواہش اور حاضری کے کیف کا اکثر ذکر کیا ہے آنحضور ﷺ کی محبت و اطاعت ہی کو ذریعہ فلاح و نجات سمجھتے ہیں مگر ان کے نعتیہ مضامین کا دائرہ صرف یہیں تک نہیں آپ کے سیرت و کردار کے فیوض و برکات کو بڑی کو بڑی سادگی اور سہولت سے بیان کیا ہے۔ شعری محاسن کو بھی مد نظر رکھا ہے۔

مری آنکھوں کے آگے گنبد خضریٰ کا منظر ہے
میں اک قطرہ ہوں لیکن مہرباں مجھ پر سمندر ہے[۷۶]

اس کی دنیا بھی سنور جاتی ہے اور عقبیٰ بھی
وہ جسے رحمت عالم سے محبت ہو جائے[۷۷]

یہ دنیا جس پہ مہرو ماہ کی گردش کا سایہ ہے
شب تاریک تھی نور سحر آثار سے پہلے
ابوجہل زمانہ دیکھ شانِ مصطفیٰ کیا ہے
ترے انکار سے پہلے مرے اقرار سے پہلے[۷۸]

زندگی کے تپتے صحرا کو ملے ہیں آپ سے
دل کے دل رحمت کے بادل لا زمان و مکاں

جو صحیفہ آپ پر نازل ہوا دراصل ہے
مشکلات زیست کا حل لازمان و لامکاں
آپ نے قائم کیا معیار توقیر وجود
صاحب خلق مکمل لازمان و لامکاں(۷۹)

سحر انصاری کے ہاں معجزات رسول ﷺ کا ذکر بھی بطرز نو ملتا ہے ان کا شعری اسلوب بڑے اختصار سے سیرت مطہرہ کو تاریخی تناظر میں پیش کرنے پر قادر ہے پھر یہ اسلوب اکہرایا ثقیل نہیں بلکہ لطافت اور انفرادیت کا حامل ہے۔

کھلیں معراج سے تسخیرو مہرو ماہ کی راہیں
نئی دانش ہر اک تحقیق نو کا رہنما کہیے
قلم ہو یا علم ہر اک کی حرمت ایک جیسی ہے
جہاد و جہد کو بخشا ہے کیسا مرتبہ کہیے
ہر اک گرد کدورت کو دلوں سے صاف کر ڈالا
اسے بھی اعتبار خطبۂ کوہ صفا کہیے
بھنور کے سارے خطروں سے بچا کر دل کی کشتی کو
خدا تک جس نے پہنچایا اسی کو نا خدا کہیے(۸۰)

روم و شام و عجم و مصر کو زنجیر کیا
گو بظاہر نہ میسر تھے وسائل ایسے(۸۱)

کوئی سیکھے تو سیکھے آپ ہی سے
طریق صادقی ، رنگ امینی(۸۲)

عدو کو منقلب کر دے رخ انور کی تابانی
بجائے تیغ ، شاخِ گُل کفِ قاتل میں آ جائے(۸۳)

یہ شعری اسلوب واضح کرتا ہے کہ سحر انصاری عمدہ تخلیقی و تنقیدی شعور کے حامل ہیں انھوں نے جہاں مجموعہ ہائے نعت پر مقدمہ یا تقریظ کی صورت میں اپنی رائے دی ہے وہاں فن شناسی اور اعتدال کا مظاہرہ کیا ہے۔

جمیل ملک کا نام بھی ان شعرا میں شامل ہے جن کی شاعری ترقی پسندی کے زیر اثر ہے دیگر مجموعوں کے علاوہ حمدیہ و نعتیہ کلام پر مشتمل مجموعہ کلام اوصاف بھی شائع ہوا نعتیہ کلام میں محبت اور تقدس کی فضا ہے:

نظر اٹھتی نہیں پاس ادب سے
کوئی جلوہ نما ہے اور میں ہوں
میسر ہے عجب کیف حضوری
دل درد آشنا ہے اور میں ہوں
کرم کی بارشیں ہیں اور وہ ہیں
محبت کا صلہ ہے اور میں ہوں (۸۴)

جمیل ملک نے نعت کے متعلق پختہ فکری اپج رکھتے ہیں حافظ مظہر الدین کی نعت گوئی پر لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

"نعت گوئی فن بھی ہے اور عبادت بھی، فن کے لیے جس دیانت کی ضرورت ہوتی ہے جب وہی ریاضت نعت گوئی کے لیے کام میں لائی جاتی ہے تو عبادت بن جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر شعرا شعر گوئی کا آغاز تو نظم و غزل یا قطعہ و رباعی سے کرتے ہیں لیکن جب ان کی فنی ریاضت انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو وہ نعت گوئی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں یہیں سے فنی ریاضت فنی عبادت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔"(۸۵)

ترقی پسند شعرا میں ظہور نظر کا کلام بھی تنوع اور مقبولیت کا حامل رہا ہے کلیات ظہور نظر میں "نعت بخدمت خاتم المرسلین" کے عنوان سے نعتیہ نظم ہے جس میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے آپ ﷺ کو صدق، علم، نور، عقل اور دین کے خزینے بدرجۂ اتم عطا کر دیے اللہ نے انسان اور کائنات کے لیے سبھی پیغام و الہام آپ پر نازل فرما دیے اب فقط قرآن ہی اس کی خدائی کی اساس اور آگہی کا منبع ہے اور اللہ نے رسول پاک کو اپنا محبوب اور

خاتم النّبیین ﷺ مقرر فرمایا ہے نظم کا اختتام یوں ہے:

صدق و نور و علم و عقل و دین کے افلاک پر
آشکارا ہونے والے جب کوئی تارا نہیں
جب کوئی سورت کوئی آیت نہیں باقی رہی
تیسویں پارے سے آگے جب کوئی پارہ نہیں
بند خود اس نے کیا جب اپنے پیغاموں کا باب
کس کے سر آئے نبوت کس کے گھر اترے کتاب (۸۶)

ظہور نظر کی نظم دعا بحضور رسول اکرم ﷺ استغاثہ کا ایک نہایت خوبصورت نمونہ ہے جس میں گلہ گزاری میں فنکاری دکھانے کی بجائے یہ احساس جاگزیں ہے کہ امت مسلمہ خود ہی اپنے زوال کی ذمہ دار ہے ہماری اپنی غفلت اور بے عملی ہمیں اس تیرہ و تاریک منزل پہ لے آئی ہے۔

۔۔۔ کہ ہم گنہگار
اتنے نادار اتنے بیمار ہو چکے ہیں
کہ ہم پہ جب تک خدائے برتر کی خاص چشم وکرم نہ ہو گی
ہماری آنکھیں نہ کھل سکیں گی
ہماری روحوں سے نیکیوں کا سفر نہ ہو گا
ہمارے سینوں، سیاہ سینوں میں
روشنی کا گزر نہ ہو گا
دلوں میں عصیاں کی تیر گی بیکراں ہے جو
بیکراں رہے گی
بدی لہو کی طرح رگوں میں رواں رہے گی
ہوس، حواس وحیات پر حکمراں رہے گی (۸۷)

شاعر نے بخوبی یہ احساس پیدا کیا ہے کہ آپ ﷺ سے لو لگائے بغیر اس بے ضمیری وبے حسی کا خاتمہ ممکن نہیں محبت رسول ﷺ اور اطاعت رسول وہ زینہ ہے جو

پھر سے ہمیں عنایت پروردگار کے قابل کر سکتا ہے۔

ظہور نظر نے ایک ہی زمین میں نعتیہ قطعات کہے ہیں جن میں ردیف ہے "آپ ہی کے دم سے ہے" شاعر کے پختہ اعتقاد رسالت کی عکاسی ہے ان قطعات میں بنیاد اس اعتراف پر ہے کہ آپ کی ذات ہی دنیا میں فروغ دین، فروغ حق، فروغ علم و آگہی، فروغ سوز و یقین کا سر چشمہ اور منتہیٰ ہے ایک قطعے کی مثال دیکھیے:

فلک پہ ابر کرم آپ ﷺ ہی کے دم سے ہے
خجل زمیں پہ ستم آپ ہی کے دم سے ہے
ہری ہے آپ ہی کے دم سے کشت کلمۂ حق
جنوں کو رزق بہم آپ ہی کے دم سے ہے(۸۸)

بیدل حیدری بھی فیضان پائے رسالت کو خوبصورت شعری پیکر میں بڑی سہولت سے بیان کرتے ہیں اظہار کے ان پیرایوں میں حسن صورت و سیرت اور منصب پیغمبری کی جامعیت لطیف عکس دکھاتی ہے:

اس کی مسافرت کا زمانہ بھی روشنی
اس روشنی کے پیڑ کا سایہ بھی روشنی
اس پیکر جمال کی پرچھائیں بھی جمال
اور ساتھ ہی نقوش کف پا بھی روشنی
ہجرت کی شب بھی صبح درخشاں لیے ہوئے
غار حرا کا گھور اندھیرا بھی روشنی(۸۹)

ان کا تمام نعتیہ کلام اس اسلوب کا حامل ہے بیدل حیدری کے ہاں نعت میں جشن آمد رسول آپ ﷺ کی بدولت فروغ آگہی مدینے کی حاضری کی تمنا معجزات کا ذکر وغیرہ موجود ہیں ان کے ہاں ترقی پسندی کے مخصوص نظریات تو نعتیہ مضامین پر حاوی نہیں لیکن یہ انفرادیت ضرور ہے کہ ان کا اسلوب روایتی نہیں بلکہ ندرت کا حامل ہے:

تو نے اس دور میں پتھر کو تکلم بخشا
جب کسی کو بھی سلیقہ نہ تھا گویائی کا

نگہ شوق ہو اور روضہ اطہر بیدل
اس سے بہتر کوئی مصرف نہیں بینائی کا[۹۰]

سیّد سبط علی صبا بھی ترقی پسند شعرا میں شامل ہیں اگرچہ نعت کم کہی ہے لیکن اقتضائے نعت کو ملحوظ رکھا ہے غیر حقیقی یا غیر متوازن تصورات کا اظہار نہیں کیا آنحضور ﷺ کی ذات ہی ان کے نزدیک منبع آگہی ہے:

دنیائے بے ثبات کے دانش کدوں سے کیا
حل مسئلوں کا پوچھ رسالت مآب سے
اس اسم بے مثال کی رعنایاں نہ پوچھ
گلشن مہک رہا ہے مہکتے گلاب سے
اہل قلم کا اس پہ درود سلام ہو
نوع بشر کو جس نے جگایا ہے خواب سے[۹۱]

حزیں کاشمیری کے مجموعے موج ساحل "نعت سرور کونین" میں انسان پر آپ کے فیوض کا ذکر کرنے کے بعد ۱۹۸۸ء میں عراق اور ایران کی جنگ کی طرف اشارہ ہے اور مسلمانوں کی حالت زبوں کو شاعر نے تشبیہات اور تلمیحات کے ذریعے بیان کیا ہے اور افراد ملت کی بے حسی پر شاعر مضطرب ہے کہ حالی و اقبال کی صدا پر کان نہ دھرے گئے پھر حضور ﷺ ہی سے التجا کی ہے کہ مسلمانوں کو صلابت اور حرارت ایماں حاصل ہو آپ ہی کی ذات ہمارا درماں ہے۔

کیا شہامت ، کیا حکومت ، کیا امارت اس جہاں کی
گردِ پائے مصطفیؐ کے سامنے کیا جامِ جم ہے
اک نظامت اک لطافت اک نجابت اک شرافت
آپ کی صورت سے ظاہر آپ کی سیرت میں ضم ہے
ایک جلوہ اک بشاشت اک تجلی اک نضارت
آپ کی لوح جبیں میں آپ کے رخ پہ بہم ہے
اک نہیں پر آپ کی مدغم نفی میں قدرِ مثبت
آپ کے بس اک اشارے ایک ہاں پر لا نعم ہے[۹۲]

عمیق حنفی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی شاعری میں ترقی پسند شعری روایت کے اثرات نمایاں تھے لیکن اس سے انحراف اور نئے تجربات کرکے اپنی پہچان بنانے کا جذبہ بھی کم نہیں تھا ان کے ایک مکتوب کا حوالہ قمر رئیس کے ہاں ملتا ہے جس میں عمیق حنفی لکھتے ہیں:

''میں نے ترقی پسندی کو اپنا ذہنی، فکری مسلک اور جمالیاتی مذہب مانا ہے اگر مارکسی جمالیات کی صحیح تصویر سامنے رکھی جائے تو میری شاعری میں ادبی ترقی پسندی کے درشن آپ کو ضرور ہوں گے ترقی پسند فکر میری شاعری کے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی ہے''(۹۳)

عمیق حنفی نے صلصلۃ الجرس میں سیرت النبی کو جس جدّتِ اظہار و بیان آہنگ اور عروضی تنوع کے ساتھ منظوم کیا ہے وہ انھی کا خاصہ ہے عمیق حنفی نے فنکارانہ حساسیت کے ساتھ ''عادت'' کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے مغربی شعور کو ابھارا ہے عصری تہذیبی بحران شاعر کو عہد جاہلیہ کے مماثل دکھائی دیتا ہے انھوں نے ماضی و حال کا منظر نامہ جن تناظرات میں پیش کیا اساطیری حوالوں سے اسلام کے طلوع و عروج کی جو تصویر کشی کی ہے اسے شاعر کی لفظیات، صوتیات اور تمام تر جدید لسانیات نے دوچند کر دیا ہے ڈاکٹر عالم خوندمیری لکھتے ہیں:

''پیغمبروں نے مذہبی تاریخ میں ہمیشہ رسمی مذہب اور عادت پر مبنی ریاضت کے خلاف انسانوں کو ابھارا ہے اور انھیں زندگی اور وجود کے اصل اور ازلی منبع سے اپنا رشتہ جوڑنے کی دعوت دی ہے پیغمبرانہ روایت کی تحریر کا مفہوم یہی ہے کہ انسانوں کا رشتہ اس ازلی منبع سے جوڑنے کی کوشش کی جائے عمیق حنفی کی اس نظم کا اصل محرک یہی ہے مثلاً جہاں انھوں نے پیغمبر اسلام کی انقلاب آفریں دعوت کا پس منظر پیش کیا ہے وہاں انھوں نے ''جاہلیہ'' کے تہذیبی اور ذہنی مظاہر کو اجاگر کیا ہے انھیں اس بات کا احساس ہے کہ عہد جاہلیہ غیر مذہبی، دینوی تمدن کی حد تک پس ماندہ نہیں تھا بلکہ ایک ذہنی تہذیبی بحران سے دوچار

تھا پیغمبر اسلام کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ایک نئے سیکولر تمدن کی بنیاد رکھی جائے ان کا منشا تو یہ تھا کہ خدائے زندہ وواحد سے انسان کا رشتہ استوار کیا جائے۔"(۹۴)

عصر حاضر میں انسان کے خارج و باطن کا تعلق کمزور پڑ گیا ہے انسانیت کے با معنی احیا کے لیے ماضی سے رشتہ جوڑ کر ایک نئے تہذیبی عمل کا آغاز ناگزیر ہے اس کے لیے حتمی اقدام حب رسول اور اسوہ حسنہ کی پیروی ہے عمیق حنفی نے اس کی واعظانہ دعوت نہیں دی بلکہ قاری کو ہم تجربہ ہم نوا بنانے کے لیے تاریخی و تہذیبی شعور سے مزین ایک فضا قائم کی ہے جو ادراک اور بصیرت کو جلا بخشتی ہے۔

"صلصلۃ الجرس" سے کسی ایک آدھ مثال کو منتخب کرنا کٹھن ہے:

سیل زماں پہ کشتی مکاں ہے ظاہر بہاؤ باطن جمود
کھینچے خرد کی جھنجھلاہٹوں نے دشت عدم میں پائے وجود
مشکل ہے نیک و بد کی تمیز گڈ مڈ ہوئے ہیں ایسے حدور
نیلے سمندری پانیوں پہ چھایا ہو جیسے چرخ کبود
آب رواں پہ مثل حباب تہذیبِ نَو کی نام و نمود
تہذیب نو ہے ایسا یہ چراغ جس کو ملا ہے فانوس دود
چھوتا ہے علم مریخ وماہ لیکن ہے دور اصل شہود
ایماں نہ ہو تو مشق حساب تحقیق عالم ہست و بود
مدت کے بعد مدت کے بعد پیشانیوں میں تڑپے سجود
ہوتے گئے تھے ہم تم سے دور اور کتنی دور تم پر درود
ٹوٹے ہوئے ہیں سارے قیود لب پر تمھارا آیا ہے نام
خیر الانام تم پر درود تم پر صلوۃ تم پر سلام(۹۵)

یہ مختصر جائزہ تمام تر ترقی پسند شعرا کی نعتیہ شاعری کو محیط نہیں کئی شعرا کا ذکر یہاں نہ ہوا ہو گا مگر اس طائرانہ نگاہ ہی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ترقی پسند تحریک کے شعرا سے تقدیسی شاعری کی توقع نہ کرنا ایک غیر صحت مند مفروضہ ہے اللہ اور اس کے رسول

سے محبت کا عنصر فطری اور بے لاگ ہے کسی بھی تحریک سے وابستہ شاعر اس کے اظہار سے خود کو ارادتاً باز نہیں رکھ سکتا اسی طرح اس کا اظہار کرنے کی خواہش صدفی صد ارادی نہیں ہو سکتی کہ محض کسی وقتی ہنگامی سماجی وسیاسی صورتحال سے ایک تخلیقی ذہن اپنی کلی تقلیب کر لے۔ یہاں ایک بات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر عنبرین حسیب عنبر کو دیے گئے ایک انٹرویو میں صبیح رحمانی کہتے ہیں:

> ''پاکستان کے قیام کا ایک نظریاتی مملکت کے طور پر ہوا جس کی سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی تکمیل نو ہمیں ان بنیادوں پر استوار کرنی تھی جو ہمارے دین کے مطابقت رکھتی ہوں بدقسمتی سے ہم اس میں اب تک کامیاب نہیں ہو سکے عوام کی اکثریت کی خواہش یہی ہے مگر بعض طبقے اس فکر سے مختلف افطار کے حامل بھی رہے ہیں ان میں ایک طبقہ ترقی پسندوں کا بھی تھا۔ پاکستان بننے کے بعد ایک طویل عرصے تک ترقی پسند شعرا نے نعت کی طرف توجہ نہیں کی کیونکہ وہ ایسا کرنا ہی نہیں چاہتے تھے انھیں اپنے بیانیے کو مذہب سے دور ہی رکھنا تھا نعت پر توجہ تو اس طرف مبذول ہوئی جب ضیا الحق دور میں دینی اقدار کے فروغ کو اہمیت دی گئی سیرت کے پیغام کو عام کرنے کے لیے سیرت نگاری اور نعت نگاری کی سرکاری سرپرستی کا خوب اہتمام ہوا اور ٹی وی پر نعتیہ مشاعروں کا چلن عام ہوا اب ان شعرا کو بھی نعت کہنی پڑی جن کے بغیر رڈیو ٹی وی کا کوئی مشاعرہ منعقد ہوتا ہی نہیں تھا ان میں سے اکثر شعرا ترقی پسند تھے سوشلزم کی عدم مقبولیت اور ناکامی بھی اسی دور میں نمایاں ہو رہی تھی اور اس کی مختلف محازوں پر پسپائی سے ترقی پسند شعرا کی سرپرستی کی فضا بھی پہلے جیسی نہ رہی تھی یہ وہ تمام عوامل ہیں جو پاکستان میں مذہب بیزاری کا رویہ رکھنے ولے شعرا کو ملت کے اجتماعی مزاج سے قریب تر کرنے کا باعث بنے''

بظاہر یہ افکار کچھ غلط معلوم نہیں ہوتے لیکن گفتگو کے اگلے حصے میں وہی نکات بیان ہوئے ہیں کہ جن کی جھلک اس تمام مضمون میں دیکھی جا سکتی ہے دراصل اہم ناقدین کی آرا

کو اکثریت کا قبول اور استناد حاصل ہو جائے تو ان کا تاثر اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ اہل علم و ادب انھیں علی الاعلان جھٹلانے سے اعراض کرتے ہیں اس کا واضح نقصان یہ ہے کہ بعض باتوں کا ذکر ضرورت سے زیادہ گردش کرتا رہتا ہے اور بعض سخن ہائے گفتنی خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ جاتے ہیں صبیح رحمانی کی گزشتہ گفتگو سے پیوستہ رائے ملاحظہ کیجیے:

> "لیکن ہمارے کچھ ترقی پسند شعرا ایسے بھی ہیں جنھوں نے ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں بھی نعت گوئی کے وسیلے سے اپنی عقیدتوں کا اظہار کیا ان میں شعرا کی نعت نگاری کے عوامل میں معاشرتی دباؤ کا عنصر بھی یقیناً رہا ہو گا مگر نیتوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے جو شعرا اس تحریک کا حصہ نہیں رہے وہ سب بھی تو نعت کبھی بھی ہی کہتے تھے۔ اس لیے ہمیں ان کی ہیئتوں میں منفی رویوں کی تلاش کی بجائے ان کی نعت گوئی کی تخلیقی جمالیات اور ان کے روشن فکری پہلو کو توجہ سے دیکھنا چاہیے۔"

در حقیقت یہی نکتہ زیر نظر تحریر کا مقدمہ ہے کسی بھی عہد میں کسی بھی تحریک سے وابستہ تمام تخلیق کاروں کے ہاں تقدیسی شاعری نہیں ملتی لہٰذا اس مخصوص زاویے سے ترقی پسند شعرا کی نعت گوئی کا جائزہ یک رُخا ہو گا اور یہ حقیقت پنہاں رہ جائے گی کہ عشق رسول ﷺ اور اسوۂ حسنہ کے بنیادی موضوعات کو اجالنے کے ساتھ ساتھ نعت کی لفظیات اور زبان و بیان کے پیرایوں کو ترقی پسند شعرا نے ندرت اور دلفریبی عطا کی ہے ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری کی درج ذیل آرا ملاحظہ کیجیے:

> "اردو اور مذہب دو مختلف چیزیں ہیں اردو اگر قومی زبان بننا چاہتی ہے تو اسے ہر قسم کے خیالات و جذبات کا حامل بننا چاہیے وہ زبان ہر گز کسی ترقی یافتہ قوم کی زبان بننے کا استحقاق نہیں رکھتی جس کے حسن و قبح کا فیصلہ کوئی مذہبی جماعت کرتی ہو یعنی اردو کے ادیبوں کو رواداری اور روشن خیالی کی تلقین کرنا چاہیے۔"(۹۶)

مزید لکھتے ہیں:

''مولویوں اور پنڈتوں کی زبان میں گفتگو بند کیجیے سنسکرت کو ان کے لیے اور انھیں عربی و سنسکرت کے لیے چھوڑ دیجیے ادب کو فطری بنانے کے لیے ہندوستانی سپرٹ ہی نہیں ہندوستانی صورتحال اور اسلوب بھی اختیار کیجیے۔''(۹۷)

زبان سے متعلق ترقی پسندوں کی اس سوچ اور فکر نے اردو شاعری میں موضوع ہیئت، اسلوب اور لفظیات کے دائرے میں جو تموج پیدا کرنے کی سعی کی اس کے اثرات بہر حال ہیں اور دیگر اصناف کی طرح نعت بھی ان سے مستثنیٰ نہیں اور پھر نعت کے موضوعات تو ہر دور اور خطے میں مشترک ہیں نعت کی صنف اس افادے ہی کی طلبگار تھی کہ اس کا خارجی پیکر تحرّک اور تغیر سے آشنا ہو اس تناظر میں ترقی پسند شعرا کا کردار قابل ذکر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر انور سدید اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۹۹ص:۴۸۸تا۵۰۲

۲۔ مخدوم محی الدین سرخ سویرا اشاعت گھر حیدر آباد دکن جنوری ۱۹۴۴

۳۔ عزیز احمد ترقی پسند ادب لقمانی پریس دہلی س۔ن، ص:۶۹

۴۔ سجاد ظہیر، روشنائی، قومی کونسل برائے فروغ اردو، س۔ن، ص:۲۰۶

۵۔ اختر حسین رائے پوری ادب اور انقلاب ص:۳۴

۶۔ احمد ندیم قاسمی، انوارِ جمال، سنگ میل، لاہور، ۲۰۰۷ص:۴۰

۷۔ بحوالہ مرتبین، انوار جمال

۸۔ انوار جمال:ص:۸۳

۹۔ ایضاً، ص:۸۵

۱۰۔ ایضاً، ص:۸۶

۱۱۔ ایضاً، ص:۸۷

۱۲۔ ایضاً، ص:۴۱

۱۳۔ ایضاً، ص:۴۲

۱۴۔ ایضاً، ص:۴۵

۱۵۔ ایضاً، ص:۵۰

۱۶۔ ایضاً، ص:۶۶

۱۷۔ ایضاً، ص:۶۷

۱۸۔ ایضاً، ص:۶۰

۱۹۔ سرشار صدیقی، پوری گواہی، ہمارا ادرہ کراچی، ص:۱۴۱

۲۰۔ سرشار صدیقی، اساس، اثانہ ناشرین ادب، ۱۹۹۰ء ص:۱۱۹

۲۱ ۔ اساس، ص:۱۲۰
۲۲ ۔ ایضاً، ص:۱۱۶
۲۳ ۔ ایضاً، ص:۶۳
۲۴ ۔ نعت رنگ، شمارہ۹، مارچ ۲۰۰۰ء، اقلیم نعت کراچی، ص:۱۳تا۲۰
۲۵ ۔ نسخہ ہائے وفا، مکتبہ کارواں لاہور، ص:۲۰۲
۲۶ ۔ محمد خالد جذبی، عارف عبد المتین کی نعت گوئی، وطن پبلی کیشنز گوجرانوالہ ۱۹۸۷ء، ص:۰۹
۲۷ ۔ ایضاً، ص:۲۱
۲۸ ۔ ایضاً، ص:۲۱
۲۹ ۔ ایضاً، ص:۲۲
۳۰ ۔ ایضاً، ص:۲۱
۳۱ ۔ ایضاً، ص:۲۱
۳۲ ۔ ایضاً، ص:۲۲
۳۳ ۔ ایضاً، ص:۲۶
۳۴ ۔ ایضاً، ص:۲۷
۳۵ ۔ ایضاً، ص:۲۷
۳۶ ۔ ایضاً، ص:۲۴
۳۷ ۔ ایضاً، ص:۲۴
۳۸ ۔ ایضاً، ص:۲۵
۳۹ ۔ بحوالہ، اکرم کنجاہی، دبستان فلم کے نعت نگار، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۲۳ء ص:۱۳۳
۴۰ ۔ مشمولہ ''بنام خیر الانام'' از قمر اجنالوی مکتبہ القریشی لاہور، ۱۹۹۰ء ص ۴۰
۴۱ ۔ بنام خیر الانام، ص:۸۱
۴۲ ۔ ایضاً، ص:۸۲

۴۳ ۔ ایضاً، ص:۹۲
۴۴ ۔ ایضاً، ص:۹۶،۹۷
۴۵ ۔ افتخار عارف شہر علم کے دروازے پر مکتبہ دانیال، کراچی ۲۰۰۵ء ص:۱۷
۴۶ ۔ ایضاً، ص:۱۸،۱۹
۴۷ ۔ ایضاً، ص:۵۱،۵۲
۴۸ ۔ ایضاً، ص:۲۶
۴۹ ۔ ایضاً، ص:۱۲۸
۵۰ ۔ ایضاً، ص:۱۶
۵۱ ۔ ایضاً، ص:۲۰
۵۲ ۔ ایضاً، ص:۲۱
۵۳ ۔ ایضاً، ص:۲۳
۵۴ ۔ انوار عقیدت، مرتبہ شہزاد احمد انٹرنیشنل حمد و نعت فاؤنڈیشن، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص:۲۰۴،۲۰۳
۵۵ ۔ مدحت نامہ، مرتبہ: صبیح رحمانی، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی ۲۰۱۷ء ص:۲۷
۵۶ ۔ ایضاً، ص:۲۷،۳۷
۵۷ ۔ ایوان نعت مرتبہ: صبیح رحمانی م، ممتاز پبلشرز، کراچی دسمبر ۱۹۹۳ء ص:۶۸
۵۸ ۔ حمایت علی شاعر عقیدت کا سفر (انتخاب) دنیائے ادب کراچی ۱۹۹۹ ص:۱۶
۵۹ ۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، مضمون ''احمد ندیم قاسمی کے چند غیر مطبوعہ خطوط بنام امین راحت چغتائی'' مشمولہ: امتزاج' شمارہ ۱۷، ص:۲۵،۲۶
۶۰ ۔ امین راحت چغتائی محراب توحید (پیش گفتار احمد ندیم قاسمی) بک سنٹر راولپنڈی کینٹ، ۲۰۰۷ء، ص:۱۷
۶۱ ۔ محراب توحید۔ ص:۴۳

۶۲۔ ایضاً،ص:۴۷

۶۳۔ ایضاً،ص:۶۲

۶۴۔ ایضاً،ص:۸۱

۶۵۔ ایضاً،ص:۲۷،۲۸،۲۹

۶۶۔ بحوالہ ارشد محمود' امتزاج:۱۷ص:۳۴

۶۷۔ بحوالہ نعت رنگ' شمارہ ۱۰اپریل ۲۰۰۰ص:۲۲۹

۶۸۔ محراب توحید،ص:۴۹

۶۹۔ ایضاً،ص:۵۱

۷۰۔ ایضاً،ص:۵۵

۷۱۔ ایضاً،ص:۵۲

۷۲۔ ایضاً،ص:۶۳

۷۳۔ ایضاً،ص:۶۵

۷۴۔ امین راحت چغتائی،ردِ عمل،بک سینٹر،راولپنڈی کینٹ،۲۰۰۶ء،ص:۲۶۵-۲۷۳

۷۵۔ بحوالہ اکرم انجاہی، دبستان فلم کے نعت نگار'ص:۲۰۸

۷۶۔ نعت رنگ،شمارہ۱۹۔دسمبر۲۰۰۶ء۔ص:۵۶۸

۷۷۔ نعت رنگ شمارہ۳۱مئی ۲۰۲۲ء ص:۴۳

۷۸۔ نعت رنگ شمارہ۹،مارچ ۲۰۰۰ء ص:۲۴۱

۷۹۔ نعت رنگ' شمارہ ۱۲' ۲۰۰۱ء ص:۲۲۵

۸۰۔ نعت رنگ،شمارہ ۲۴،جولائی ۲۰۱۴ء ص:۲۱۵

۸۱۔ نعت رنگ، گوشہ سحر انصاری شمارہ ۴ ۱۹۹۷،ص:۱۵۹

۸۲۔ ایضاً،ص:۱۶۰

۸۳۔ ایضاً،ص:۱۶۱

۸۴ ۔ پاکستان میں غزل کے نعت گو شعرا، مرتبہ:سید محمد قاسم رنگ ادب پبلی کیشنز، کراچی ۲۰۱۸ء، ص:۱۸۵

۸۵ ۔ ماہنامہ سیارہ، جون جولائی، ۱۹۷۹ء ص:۵۶

۸۶ ۔ کلیات ظہور نظر مکتبہ قلم قبیلہ بہاولپور ۱۹۸۷ء ص:۳۱

۸۷ ۔ ایضاً، ص:۳۳

۸۸ ۔ ایضاً، ص:۳۵

۸۹ ۔ کلیات بیدل حیدری، (میری نظمیں) مثال پبلشرز فیصل آباد، ۲۰۱۵ ص:۱، ۲

۹۰ ۔ ایضاً، ص:۳۰۴

۹۱ ۔ سید سبط علی صبا طشت مراد، مجلس تصنیف تالیف، واہ کینٹ ۱۹۸۶ء ص:۱۹، ۲۰

۹۲ ۔ حزیں کاشمیری، موج موج ساحل، سنگِ میل لاہور ۱۹۹۱ء ص:۳۸

۹۳ ۔ بحوالہ قمر رئیس ترقی پسند ادب کے معمار نیا سفر پبلی کیشنز دہلی ۲۰۰۶ء ص:۳۷۸

۹۴ ۔ عمیق حنفی، صلصلۃ الجرس، مکتبہ شعر و حکمت حیدر آباد، ۱۹۷۱ ص:۷

۹۵ ۔ ایضاً، ص:۲۴

۹۶ ۔ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری ادب و انقلاب، ادارہ اشاعت اردو حیدر آباد دکن ۱۹۴۳ء، ص:۱۰۴

۹۷ ۔ ایضاً، ص:۱۰۵

باب چہارم

اُردو نعت اور حلقۂ اربابِ ذوق کی تحریک

اُردو نعت اور حلقۂ اربابِ ذوق کی تحریک

ترقی پسند تحریک کے مادی و اجتماعی میلانات کے پہلو بہ پہلو حلقہ ارباب ذوق نے ادب میں فرد کی داخلیت اور انفرادیت کو اہمیت دی حلقہ ارباب ذوق نے اس ادبی رویے کو فروغ دیا کہ ادیب زندگی سے ادب کا مواد تو اخذ کرتا ہے لیکن نظریاتی تبلیغ کا داعی نہیں ہوتا۔ زندگی کی اقدار کو اپنی تمام ترجمالیات کے ساتھ ادب کا حصہ بنانے کی سعی کرتا ہے جذبہ خیال اور احساس کو حلقہ ارباب ذوق کے نظریہ ادب میں بنیادی اہمیت حاصل ہے یہاں زندگی کی مجموعی حیثیت مسلم ہے مگر ادیب پر موضوعاتی یا فکری تحدید روا نہیں حلقہ ارباب ذوق نے ادب کو جدید علمی دھاروں اور مغربی ادب سے استفادے کی راہ دکھائی جو ادب میں تنوع اور لطافت کا باعث ہوئی ادب کے استعاراتی و علامتی نظام میں مزید گہرائی پیدا ہوئی۔ تہ در تہ معنویت کے احساس نے لفظ کو تقویت عطا کی اس تحریک میں انفرادیت کے زاویے نے بساط ادب کو ادیبوں کے انفرادی پہلوؤں سے منقش کیا۔ حلقہ ارباب ذوق کے زیر اثر نئی نظم کو فروغ ہوا ڈاکٹر انور سید کے بقول:

> ”حلقہ ارباب ذوق کی شاعری میں بنیادی اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ شاعر خارج اور باطن کی دنیاؤں میں آہنگ اور توازن کس فنکارانہ طریقے سے پیدا کرتا ہے۔“[۱]

یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس ادبی رویے سے صنف نعت کس طور مستفیض ہوئی ہو گی یقیناً حلقے کے شعرا نے نعت گوئی کو بھی متنوع لطافتوں اور حسیت سے آشنا کیا حلقے کے ابتدائی دور میں شاعری کے حوالے سے میراجی، یوسف ظفر، قیوم نظر اور تابش صدیقی کے نام شامل ہیں میراجی کی شاعری انفرادیت کی مثال ہے لیکن ان کے ہاں نعتیہ کلام موجود نہیں قیوم نظر کے کلیات میں کم و بیش ۳۰ نعتیہ کلام شامل ہیں ان کی نعت کا اپنا رنگ اور انداز ہے اس میں آورد اور ثقالت نہیں شعری قرائن میں وہی لپک ہے جو عمدہ غزل کا خاصہ ہوتی ہے لیکن نعت کہتے ہوئے شاعر نے اسے بے محابا نہیں ہونے دیا بلکہ لہجے نے مضامین کو سنبھال لیا ہے انھوں نے نعت مصطفیٰ کو وجہ سکون اور محرّکِ عشقِ رسول سمجھا ہے۔

حضور ﷺ کے اتباع میں بنی آدم کی فلاح و نجات کا جو پیام ہے اس کے اظہار میں شاعر کا انداز تبلیغی نہیں شاعرانہ ہے چند مثالیں دیکھیے:

درود اس پر ضمیر انسان کو جس نے زندہ کیا دوبارہ
یہ وہ حقیقت ہے جس میں کوئی مجاز مُرسل نہ استعارہ [۲]

عشقِ رسول ، قصدِ مدینہ ، وفورِ شوق
اس کارواں کو 'بانگ درا' نعت مصطفیٰ [۳]

دامن کو تیرے تھام کے آزاد ہو گیا
قیدی توہمات کا پتلا خطاؤں

اب ذات و کائنات کی حد کوئی شے نہ تھی
ٹوٹا طلسم خانہ ہزاروں اناؤں [۴]

قیوم نظر کے ہاں ایسا کلام بھی موجود ہے جس میں رسول ﷺ کے فضائل مبارکہ کا سیدھا سادہ بیان ہے استغاثہ کے اشعار بھی موجود ہیں مگر ان کی پر اثر اور منفرد نعتیں وہی ہیں جن میں عمدہ غزل گوئی کے قرینے نعتیہ مضامین کا ساتھ نبھاتے ہیں اور داخلیت کا رنگ گہرا ہے۔

اپنی خوش بختی پہ نازاں نکلا — دل محمد کا ثنا خواں نکلا
ہے خدا وہاں بھی مانا لیکن — تو بھی نزدیک رگ جاں نکلا [۵]

ان کے چشم کرم کے دائرے میں — فکر دنیا کو تج کے آیا ہوں
ذکر سے ان کے سینے روشن ہیں — قلعے میں عافیت کے بیٹھا ہوں
میری سانسوں میں کچھ نہیں اب اور — ان کی خوشبو کا ایک جھونکا ہوں
پھیلے صحرا کا تھا بگولا کبھی — اب کے چاہت کا ایک دریا ہوں
کار گاہ جہاں میں اپنا مقام — ریگ بطحا میں مل کے سمجھا ہوں [۶]

آپ کی عظمت کردار اور اخلاق کریمانہ نے انسانیت کو مژدۂ جاں بخش سنایا جو دنیا و آخرت میں وسیلۂ فلاح و نجات ہے اس کی تفصیل میں قیوم نظر کے ہاں بہت سے اشعار موجود ہیں مگر جہاں وہ اپنی ذاتی کیفیات کو بیان کرتے ہیں وہاں وارفتگی کا عالم بڑھ جاتا ہے۔

طے ہوتا ہے خود انفس و آفاق کا عالم
جب حجرہ اقدس کے تصور میں رہوں میں(۷)

حُب نبی کو دل میں سمو لینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان خود کو آپ ﷺ کی سیرت کا پابند کر دے یہ امر اس کے کردار اور عمل کو ترفع بخشتا ہے قیوم نظر نے اسے بھی موضوع بنایا ہے:

جو محمد کا نام لیتے ہیں — وقت کی باگ تھام لیتے ہیں
بڑھتا طوفان بن کے اٹھتے ہیں — کب وہ لطف خرام لیتے ہیں
در خیبر اکھاڑ پھینکنے کو — زورِ ایماں سے کام لیتے ہیں
زیر دستوں کا سر بلند کیے — سر کشوں سے سلام لیتے ہیں(۸)

کائنات کا مشاہدہ شاعر کے اندر متنوع قلبی و ذہنی رد عمل پیدا کرتا ہے کبھی وہ سرشار ہوتا ہے کہیں ورطۂ حیرت میں کھو جاتا ہے اگر شاعر اشیا و مظاہر کے باطن میں اترنے کی خواہش اور صلاحیت رکھتا ہو تو اس سفر سے واپسی اسے جمالیاتی اظہار کے دلنشیں قرینے عطا کرتی ہے قیوم نظر کی شاعری ان عناصر سے متصف ہے انھوں نے نعت میں بھی خوبصورت الفاظ و تراکیب اور دلفریب تشبیہات و استعارات سے کام لیا ہے جو اولین قرأت میں سہل نظر آتے ہیں مگر غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بظاہر نرم لہجے کے پسِ پشت سخت مجاہدہ کار فرما ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

تیری پابوسی نے سینہ کیا روشن اس کا
تودۂ سنگ ہی تھا غار حرا کہنے کو
ان گنت عظمتوں کی اس کے نفس میں خوشبو
روح پرور ہے ترے در کی ہوا کہنے کو(۹)

گفتگو نعت پر چلی تھی ابھی — کتنی پاکیزہ روشنی تھی ابھی
ذکر سے ان کے دم میں دم آیا — جان ورنہ نکل گئی تھی ابھی
ان کی حکمت سے ہو گئی کافور — جو جہالت بضد کھڑی تھی ابھی(۱۰)

جیسے ہوتا ہے چاندنی کا نزول
گفتگو میٹھی روشنی ان کی(۱۱)

بے بسی میں کریں در در سجدے
تیرے سائے میں نہ آنے والے(۱۲)

جواب باصواب آئے گا دل نے
در مولا پہ دستک دی ہوئی ہے(۱۳)

یوسف ظفر کے ہاں نعتیہ کلام بہت زیادہ نہیں مگر ان کے انداز میں رمزیت اور موسیقیت ہے:

تو روح ازل نور ابد جان دو عالم
محبوب خدا یوسف جانانِ دو عالم
توحامد و محمود ہے تو شاہد و محمود
قائم تیرے جلوے پہ ہے ایوانِ دو عالم(۱۴)

اگرچہ اردو نظم حلقہ ارباب ذوق سے قبل ہی پابند سے آزاد کا سفر شروع کر چکی تھی لیکن حلقہ ارباب ذوق کے شعرانے نظم کے مزاج میں داخلیت دھیما پن اور رچاؤ پیدا کر دیا ہے زندگی کے عمل اور دلِ انسانی کے احساسات کا جو تال میل ایسی نظموں میں ہے اس کا تاثر دیرپا ہے نعت کے دامن میں بھی کئی عمدہ نظموں کا اضافہ ہوا ضیا جالندھری کی ایک نظم ''نگہبان'' ملاحظہ:

عنکبوت کو خبر نہ تھی
کہ جس دہانِ غار پر
وہ اپنے مہین تار سے
لطیف چادر حجاب تاننے میں محو ہے
وہ کردگار کے پیام کا امیں ہے
مجھے یقیں ہے

کہ وہ بچانے والا ہاتھ
آج بھی اسی طرح نگاہ دار دارین ہے
حیات دشت کارزار ہے
کہاں کہاں نہ وقت نے ہمیں
طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کیا
ہمیں تلخیاں تمام رنج یاد ہیں
مگر کسے خبر کے دست بے نشاں نے
ہم کو کون کون سے عذاب سے بچا لیا
سو آج پھر انھی کے نام پر اٹھو
کہ جن کے طفیل
تار عنکبوت معجزے کی طرح محترم ہوا
اٹھو کہ نصرت و ظفر
کڑے دنوں کی ابتلا میں کوششوں کا نام ہے
تمہیں خبر نہ ہو مگر
تمہارے ساتھ دست غیب رحمت تمام ہے (۱۵)

ضیا جالندھری کی اس نظم کے بارے میں حمید نسیم لکھتے ہیں:

''ضیا جالندھری نے ایک نعت حضور اور حضور ﷺ کے رفیق ہجرت ثانی اثنین کے قیام غارِ نور سے متاثر ہو کر کی ہے ضیا پاک دل ہمیشہ سے تھا اب اپنی اصل کی طرف لوٹا ہے تو سراپا عشق ہے سرپا ادب ہے اور یہ نعت مقام عشق سے کہی گئی ہے۔''(۱۶)

مختار صدیقی نے پنجابی شاعری کی مشہور صنف ''سی حرفی'' پر مشتمل مجموعہ ترتیب دیا جس میں التزاماً ابجد کے ہر حرف سے شروع کر کے چار مصرعوں کا ایک قطعہ لکھا جاتا ہے ان قطعات میں موضوعات کی قید نہیں ہوتی مختار صدیقی کے ہاں سی حرفی میں حروف اور قطعات کی تعداد متعین اور مخصوص نہیں ابتدا میں حمد کے بعد دو قطعات نعت میں ہیں:

ایک وہ ذات کہ جس کے لیے کونین کا کھیل رچایا گیا
نور حرم اور گرد حرم بھی آپ اپنا پروانہ ہوا
غایت کیف و کم بھی وہی اسے نور ازل سے بنایا گیا
بندہ صاحبِ شان خدا تھا شان یہ ہے کہ خدا نہ ہوا

ہیرے ایسے پاؤں کے نیچے نور کے سوتے رواں دیکھے
قطبین کے نور کی دو لویں کونین میں جن سے چراغاں ہوا
پاؤں کی خاک کے ادنیٰ ذرے منبع کاہکشاں دیکھے
جیسے کف پا صبح ازل ہو، طُور کا مطلع تاباں ہوا(۱۷)

مختار صدیقی کی شاعری تجربے کی گہرائی اور اس کی عطا کردہ تخلیقی قوت کی آئینہ دار ہے الفاظ کا خوبصورت استعمال ان کے کلام کے جمالیاتی عنصر میں اضافہ کرتا ہے مندرجہ بالا مثال بھی اس کی آئینہ دار ہے مگر اس کے علاوہ یہ سی حرفی نعت میں ہیئتی تنوع کی مثال ہے۔

انجم رومانی نے نعت کہنے میں عمومی انداز نہیں اپنایا بلکہ جداگانہ انداز میں سوچ کے مختلف زاویے پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ نبوت کے بعد ابتدائی برسوں میں آپ ﷺ پیغام حق پہنچانے کے لیے باطل سے کیونکہ نبرد آزما ہوئے اس کا بیان دیکھیے:

بے یارو مددگار و بے برگ و نوا تنہا
دنیا پہ ہوا حاوی اک شخص کہ تھا تنہا
تنہا اسے دیکھا ہے اے غار حرا تو نے
پایا ہے اسے تو نے اے کوہ صفا تنہا
واں قتل کی سازش تھی یاں سب پہ نوازش تھی
واں تیغ و سناں کیا کیا، یاں صدق و صفا تنہا(۱۸)

یہاں تاریخی حوالے بڑی سہولت سے شعر کا حصہ ہو گئے ہیں۔ رحمت کونین ﷺ کے حضور کرم گستری کی درخواست کرتے ہوئے بھی انجم رومانی نے تغزل میں ترفع قائم رکھا ہے:

بعد زماں سے گرچہ عجب مشکلوں میں ہے
دل بار یاب پھر بھی تری محفلوں میں ہے
ہے مرحلہ ادب کا ہوتا نہیں ہے طے
دل دشت ابتلا کی کڑی منزلوں میں ہے
عاصی بھی ہیں ہم اور غریب الدیار بھی
رحمت کی احتیاج کئی سلسلوں میں ہے[۱۹]

انجم رومانی کے ہاں خود احتسابی کا رویہ ہے کہ خود کو اسوۂ رسول ﷺ کا تابع کیے بغیر شرف آدمیت کو پہنچنا افراد اور اقوام کے لیے ممکن نہیں یہ بے عملی التجاؤں کو بے اثر کر دیتی ہے۔

پابستۂ علائقِ دنیا ہیں کیا کریں
مقدور ہو تو پیروی نقشِ پا کریں
رکھتے نہیں گرہ میں بجز گوہر سرشک
کفارہ غفلتوں کا کہاں سے ادا کریں
کردار میں بھی اس کی جھلک ہو تو بات ہے
دعوے ہزار عشق نبی کے ہوا کریں[۲۰]

صوفی تبسم نے اردو پنجابی اور فارسی تین زبانوں میں شاعری کی ادب اطفال میں بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں ان کا ادبی سرمایہ اور ادبی مقام ان کی ہمہ جہتی پر دال ہے شعری مزاج اور شعری اسلوب کی یہ وسعت ان کے نعتیہ کلام میں بھی نمایاں ہے یہ کلام متنوع ہے روایت اور تازگی سر بگریباں ہیں لیکن دونوں کو شاعر کی فنی گرفت سے وارستگی حاصل نہیں اس کیفیت نے کلام میں نیرنگی پیدا کی ہے کہیں کمالات سیرت کا پر شکوہ ذکر ہے کہیں یوں ہے کہ منبع رسالت سے فیض کی سرشاری کائنات کے باطن سے سنائی دے رہی ہے:

نبض انسانیت افسردہ تھی
زندگی کا شعور تجھ سے ملا
شمع ہستی بجھی بجھی سی تھی
شعلۂ ناصبور تجھ سے ملا[۲۱]

وہ تگ و تاز کہ دی تیزی دوراں کو شکست
وہ تب و تاب کہ سایہ تھا گریزاں تجھ سے
خفت عجز سے کفر اور نگوں سارا ہوا
استوار اور ہوئی سطوت ایماں تجھ سے
تجھ سے تاریک فضاؤں کو ملی کسوت نور
عظمت شام بنی صبح درخشاں تجھ سے(۲۲)

زمانہ جاہلیت سے نکل کر انسان کا نور ہدایت سے آشنا ہونا اور دنیا کی کایا پلٹ جانے کی وسیع تاریخ صوفی تبسم کے ہاں استعاروں میں سمٹ آئی ہے۔ معجزات رسول ﷺ کا بیان بھی انھی پیرایوں میں ہے۔

جب راہ ہدایت میں قدم تو نے اٹھایا
تھا کفرو و ضلالت کا بیاباں ترے آگے
کچھ ایسا اثر تھا تیری اکسیر نظر میں
ابھری وہیں اک جنت ایماں تیرے آگے(۲۳)

حلقہ ارباب ذوق کے زیر اثر اردو نظم داخلی وخارجی طور پر تجربات کی وسعت سے ثروت مند ہوئی۔ جب شعرا نے نعت میں بھی اس روش کو اپنایا تو صنفِ نعت کو ہیئت کا تنوع ملا صوفی تبسم کے ہاں ایک مختصر نظم کی مثال دیکھیے:

سر پر رحمت حق کا سایہ
دامن میں ایمان کا سایہ
آنکھوں میں عرفان درخشاں
سینے میں قرآن
اک کملی والا آیا
نور صداقت روئے جبیں پر
نقش امانت لوح جبیں پر

دل میں ذوق و یقیں اور لب پر
اللہ کا فرمان
اک کملی والا آیا
علم و ہنر کی دولت والے
عقل و دانش حکمت والے
سن کے اس کی سادہ باتیں
سخت ہوئے حیران
اک کملی والا آیا[۲۴]

آزادی سے قبل حلقے کے زیر اثر جو شعرا نمایاں ہوئے ان میں اختر ہوشیار پوری، سردار انور، تابش دہلوی، مجید امجد کے ہاں نعت کے عمدہ نمونے بھی ملتے ہیں سردار انور خان انور کا دیوان غزلیات و مجموعہ منظومات حصہ اول دوم، سوم، ''لمعات انور'' کے نام سے شائع ہوا دیباچے میں انور نے ادب اہل ادب، تنقید و تبصرہ، کیفیات اشعار اور فلسفہ جمالیات پر خیالات کا اظہار کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حقیقی شعر تنقید، تبصرے، تشریح حتیٰ کہ اصلاح سے بھی مبرا ہوتا ہے اور انصاف یہ ہے کہ اس کے معانی و مطالب یا جمالیات پر بات کرنے کے بجائے شعر کو خیال کی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے اس مجموعے میں صرف ایک نظم ''نعت'' کے عنوان سے ہے لیکن یہ بات محسوس کی جا سکتی ہے کہ ان ابتدائی شخصیات کے ادبی خیالات حلقے کے آیندہ شعرا پر کیونکر اثر انداز نہ ہوئے ہوں گے مذکورہ بالا انداز فکر تخلیق شعر کے لیے وسیع فضا کا اہتمام کرتا ہے انور کی یہ نظم سادہ اور رواں ہے چند اشعار ان کے اسلوب کی جھلک دکھانے کو کافی ہیں:

عرب کی زمیں خشک ریتی کی چھایا
تپش آفتابی کھجوروں کا سایا
جہاں تھی نہ امید نشو و نما کی
وہاں سبزہ جاوداں لہلہایا
بنی کیمیا خاک مکہ یکایک
سیہ سنگریزوں سے ہیرا اگایا[۲۵]

اختر ہوشیار پوری نے نظم و غزل سے نعت گوئی کی جانب سفر کا کچھ احوال اپنے نعتیہ مجموعوں کے دیباچوں میں بیان کیا ہے اور قلب و نظر کی آسودگی کے علاوہ اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ خیالات کی روانی اور جذبات کی فراوانی کے باوجود انھوں نے مقام آشنا رہنے کی کوشش کی ہے اور سوئے ظن پیدا نہ ہونے دیا۔ حدود ادب اور تہذیب جذبات کی قیود قدم قدم پر ان کے دامن فکر سے لپٹتی رہی ہیں 'برگ سبز' میں لکھتے ہیں:

> ''اردو کے جدید دور کی نعت قصیدہ اور غزل دونوں کے انجذاب سے تشکیل پانے والی صنف ہے لیکن کہیں یہ خالص غزل بن گئی ہے اور کہیں یکسر قصیدہ جب تک صفات کی کشش اور ذات کی کیفیت کو ''با محمد ہوشیار'' کے سانچے میں نہ ڈھالا جائے نعت کہنا دشوار ہو جاتا ہے۔''(۲۶)

''مجتبیٰ'' کے ابتدائیے میں بھی توحید و رسالت کے موضوعات میں حزم و احتیاط اور حد فاصل کے ادراک پر گفتگو کی ہے نعت میں اپنے منکسر لہجے اور ہوشمندی کی طرف اشارہ کیا ہے موضوعات کی صراحت بھی انھوں نے بقلم خود کی ہے:

> ''میری نعت کے اجزائے ترکیبی میں حضور سرور کائنات فخر موجودات کا وجہ تخلیق کائنات اور رحمت اللعالمین ہونا شب معراج کی برکات کا پورے زمانے پر چھا جانا غلاموں کو قوتِ گویائی و آقائی ملنا بندگی و خواجگی کا امتیاز ختم ہونا حضور ﷺ کی دہلیز پر معراج نظر ہونا، درس گاہ رسالت سے مٹی کے ہیولے کا انسان بن جانا آقائے نامدار کا روشنی کا صحیفہ اور تہذیب کا سرچشمہ ہونا شامل ہے۔''(۲۷)

''خاتم المرسلین'' کی ابتدا میں بھی ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ توحید و رسالت کا امتیاز اور حد ادب ہمیشہ ان کے پیش نظر رہے ہیں اپنی نعت کو کیف و مستی کے بجائے سراپا ہوش کی شاعری قرار دیتے ہیں اور اسی پر قانع ہیں اسلوب کے متعلق بھی ان کی رائے ملاحظہ ہو:

> ''میں بوجھل الفاظ و تراکیب سے طبعاً گریز کرتا ہوں کہ ان میں بعض اوقات شارحین و فاقدین بہر طور مبہم اور مہمل پہلو تلاش کر لیتے ہیں''(۲۸)

اختر ہوشیار پوری نے نعت گوئی کے مذکورہ بالا بنیادی نکات سے استفادہ کرنے میں

روش عام کو نہیں اپنایا بلکہ فن شعر گوئی کی پختگی انھیں نظم و غزل کے بعد نعت میں بھی منفرد اسلوب عطا کر رہی ہے ان کا تخیل نفیس اور لہجہ جدت آمیز ہے تخلیق شعر سے قبل اگر فنکار کے قلب و نظر کو آگہی اور تیقن نصیب نہ ہو تو کیفیات یوں سہولت سے اشعار میں نہیں ڈھل سکتیں عشق مصطفیٰ جب زبانی اظہار سے روحانی شعور کی جانب سفر کرتا ہے تو شاعر کی اپنی ذات اور کائنات شش جہات ایک فیضان میں یکساں شرابور نظر آتے ہیں اختر ہوشیارپوری کے اس مزاج کو جاننے کے لیے درج ذیل نعتیہ کلام ملاحظہ کیجیے:

مدینے کی کہانی سن رہا ہوں — میں کلیاں پھول موتی چن رہا ہوں
مری سب خوبیاں ان کی عطا ہیں — میں ورنہ عمر بھر بے گن رہا ہوں
مجھے پوچھو وہ ذات قدس کیا ہے — کیا میں راز صدائے کن رہا ہوں
مری مٹی ہو شہر مصطفیٰ ہو — میں کیا کیا خواب نوریں بن رہا ہوں
مرا لہجہ ہے ان کا صدقہ اختر — میں ساز زندگی کی دھن رہا ہوں[۲۹]

روش زندگی بھی ان سے ہے — عشق کی ہمرہی بھی ان سے ہے
مجھ کو منزل دکھائی دیتی ہے — یہ میری آگہی بھی ان سے ہے
ایک خوشبو ہی ان سے پائی نہیں — پھول ابریشمی بھی ان سے ہے
رات کو آئینہ میں تکتا نہیں — کہ ہری روشنی بھی ان سے ہے
سبز بیلوں کی میرے صحن میں خیر — کہ مری تازگی بھی ان سے ہے
ان کو آواز دینے لگتا ہوں — کہ مری بے کلی بھی ان سے ہے
آنسوؤں کی جھڑی ہی ان سے نہیں — میری اپنی خودی بھی ان سے ہے[۳۰]

اختر ہوشیارپوری کی نعت کا اہم موضوع مقام رسالت ہے مخلوقات خدا میں آپ کی ذات ازل سے تابہ ابد ل شوکت و سطوت میں بے مثل ہے آپ کی بدولت اسرار کائنات کی آگہی کاراستا بنی نوع انسان کی نظروں پہ اجاگر ہوا اختر کے کلام میں جابجا اس توقیر اور اکرام کا ذکر ہے کہ مذہب، تہذیب، آگہی کا سرچشمہ اور دنیا و آخرت کی فلاح کا ذریعہ آپ ﷺ کی ذات ہے۔

کھلتے ہیں اس کے ذکر سے اسرار کائنات
وہ صرف آگہی ہی نہیں روشنی بھی ہے
ہاتھوں میں میرے پرچم تہذیب سر بلند
ہونٹوں پہ حرف دولت نعت نبی بھی ہے(۳۱)

تو ہی ازل کا حسن ہے تو ہی ابد کا حسن
تیرا ہی نقش پا ہے ترے نقش پا کے بعد
عالم تمام حلقۂ ختم الرسل ہوا
فطرت سمٹ گئی ہے شہ انبیا کے بعد(۳۲)

تیرے چہرے ہی سے تابندہ تھا میدان ازل
سر میدانِ ابد بھی ترا چہرہ ہو گا(۳۳)

جن آئینوں سے رب نے لیا روشنی کا کام
ان آئینوں کے مرکز آداب آپ ہیں(۳۴)

آپ کی ذات کا فیضان دل انسان ہی میں نہیں تمام کائنات میں جاری و ساری ہے انسان کے قلب و ذہن تعلیمات نبوی سے جلا پا گئے انسان معبود حق سے آشنا ہوا اختر کے ہاں ان فیوض کا ذکر شعریت کے باوقار پیکر میں ملتا ہے توازن کی خاصیت نمایاں ہے:

تیرے پانی میں نمو کی بارشوں کے رنگ ہیں
تیری مٹی میں رواں ہے جُوئے آب انگبیں(۳۵)

وہ درگہ مکرم وہ درس گاہ عالی
مٹی کا ہر ہیولیٰ انسان ہو گیا ہے(۳۶)

اندھیرا شب کا سمٹا ہے سحر کے نرم اجالے سے
خدا تک لوگ پہنچے ہیں محمد ﷺ کے حوالے سے

حرم کا فاصلہ سمٹا تو چشم و دل ،میں آ اترا
زمانہ دور جا پہنچا کلیسا اور شوالے سے
ترے جاروب کش ہوتے رہے ہیں ہمکلام اکثر
کبھی گردوں کے تاروں سے کبھی گلشن کے لالے سے(۳۷)

مدینے کا ذکر اختر کی نعتوں میں کہیں جذب و کیف کا مظہر ہے کہیں ہوشمندانہ اکتساب کی دعوت دیتاہے ذکر مدینہ کے تین پہلو تو نمایاں ہیں اول مدینہ میں حاضری کا شوق اور طلب دوم مدینہ میں پہنچ کر حضوری اور سرشاری کی کیفیت سوم مدینہ سے پلٹ آنے کی بیقراری۔۔۔

پائے طلب کو ہمت منزل رسی بھی دے
اے رحمت تمام مجھے روشنی بھی دے
روضے سے پھوٹتا ہوا دیکھوں سحر کا حسن
اور جالیوں سے نعمت لب بستگی بھی دے(۳۸)

وہ سامنے ہیں وادی بطحا کے باغ و راغ
چل اے نسیمِ صبح تجھے محترم کروں(۳۹)

چڑھتا سورج مری آنکھیں ترا روضا ہو گا
میں مدینے میں جو پہنچوں گا سویرا ہو گا(۴۰)

سر تصویر تو ہے منبر و محراب کی دولت
پس تصویر کا سرمایہ بھی اک دن لُٹا جاؤ(۴۱)

آنکھیں روضے کی طرف اٹھتی نہ تھیں لیکن اٹھیں
اس نے جب دست دعا دست تمنا کر دیا

ان کے کوچے میں پہنچ کر کیوں پلٹ آیا ہوں میں
مجھ سے یہ کیا ہو گیا ہے میں نے یہ کیا کر دیا
اے مدینہ اے دیار پاک اے شہر نبی ﷺ
روشنی وہ تُو نے دی خود سے شناسا کر دیا(۴۲)

اس کے علاوہ اختر کی نعتوں میں مدینہ منبعِ فیض بھی ہے۔ یہ در بے مثال آگہی بانٹ رہا ہے۔ مسافروں کی راہبری کر رہا ہے، ہر بے چینی اور اضطراب کا حل اس شہر نور میں ہے۔

ازل ابد کے سفر میں مدینہ بیچ میں ہے
کہیں سے قافلہ گزرے ملے گی راہِ رسولؐ (۴۳)

تابش دہلوی کے نعتیہ کلام میں نئے شعری اسلوب کی جھلک ملتی ہے ان کے شعری مجموعوں کی ابتدا میں نعتیہ کلام ملتا ہے اس کے علاوہ مذہبی شاعری پر مشتمل مجموعہ کلام ''تقدیس'' میں ۳۰ نعتیں ۴ منقبتیں، ۹ سلام اور ایک مرثیہ شامل ہے تقدیس کے دیباچے میں ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی لکھتے ہیں:

''تابش کے کلام میں جو رمز شناسی ہے لفظوں کے بطون میں پہنچ کر معانی کے گہر تلاش کرنے کا جو رجحان ہے برہنہ گفتاری کی جگہ رمز وایما سے ان کی جو وابستگی ہے الفاظ اور مفاہیم و جذبات کے درمیان وحدت پیدا کرنے کی جو اہلیت ہے لفظوں کو ہشت پہلو نگینوں کی صورت جڑنے اور انھیں شمع کی طرح روشن کرنے کی جو قدرت ہے ان سب کا مقسوم و مقدر یہی تھا کہ یہ سب خوبیاں اور قدرتیں نعت سرور کونین کے سلسلے میں ان کے کام آئیں تابش کے سفینہ فن کو آخر ساحل محمدی مل گیا ہر زندہ چیز کی طرح ہمارے سخن کو بھی منزل کی تلاش رہتی ہے۔''(۴۴)

تابش دہلوی نے نعت گوئی کو یوں اپنایا کہ پہلے قرآن وسنت سے آگہی لے کر قلب وذہن کی تطہیر کی ہے پھر مقام محمدی کو موضوع سخن بنایا ہے اتباع رسول کی وقعت بلیغ استعاروں میں بیان کی ہے اور زبان وبیان کا حسن اپنی جگہ ہے ان کے دلی احساسات اور دلی وارداتیں آفاقی رنگ لیے ہوئے ہیں ہر اہل دل ان اشعار سے ہم آہنگی محسوس کرتا ہے کشفی صاحب کے بقول تابش کے مرقع نعت میں شاعرانہ محاسن اور عقیدہ کی صحیح سمت دونوں

چیزیں جمع ہیں تابش نے نعت کے لیے نظم کا پیکر بھی اپنایا ہے ”غبار انجم“ میں ایک نعتیہ نظم ”خاک ارجمند“ کے عنوان سے ہے ”تقدیس“ میں اس کے علاوہ ”اسم محمدؐ“ مدینہ منورہ سے واپسی پر کے عنوان سے بھی نظمیں ہیں لیکن زیادہ تر غزل کی ہیئت میں کہا ہے کہ ان کے نعتیہ کلام میں تغزل کے روایتی اور جدید ذائقے شانہ بشانہ ہیں۔

دولت دارین پر ہے جس کا اک گوشہ محیط
ہاتھ آ جائے جو وہ دامن تو پھر کیا چاہیے
بار بار اک اک خطا پر منفعل ہوتے رہیں
وہ ہمہ رحمت سہی پھر بھی تقاضا چاہیے(۴۵)

وعدہ ہے کسی کا کہ قیامت میں ملیں گے
ہر زور قیامت کی دعا مانگ رہا ہوں
جاتی ہی نہیں میری پریشانی خاطر
بکھری ہوئی پھر زلف دوتا مانگ رہا ہوں(۴۶)

خیرات تجلی کی اے پیکر محبوبی!
کشکول نگاہیں ہیں ، سائل میری آنکھیں ہیں
اک نور سفر میں ہے نظروں ہی سے نظروں تک
راہیں میری آنکھیں ہیں منزل میری آنکھیں ہیں(۴۷)

تابش دہلوی کی نعت کا اصل رنگ وہی ہے جس کی طرف کشفی صاحب نے اشارہ کیا ہے مندرجہ بالا مثالوں میں جو شعر کا انداز ہے اس سے ہٹ کر ان کے ہاں ایسے نعتیہ اشعار ہیں جہاں شعر کا پیکر اور خیال جس قدر پختہ ہیں اس قدر لطیف ہیں اور تابش کے اسلوب کے آئینہ دار ہیں وسعت اور ندرت ان کا خاصہ ہے شاعر کی فکر میں آفاق کا پھیلاؤ محسوس ہوتا ہے جسے الفاظ بڑی جامعیت سے حلقہ شعر میں گھیر لاتے ہیں اس تجربے کی دلکشی قاری کے تخیل کو بھی لطافت سے بہرہ ور کرتی ہے تابش نے اپنے اشعار میں اسم محمدؐ کے فیضان کو روح

کو ملنے والی دولت بیدار، نطق کو ملنے والی شیریں رطبی کا مزا، احساس میں جل اٹھنے والی شمع حقیقت اور خون میں ہونے والی گردش انوار سے تعبیر کیا ہے۔

نصیب شوق اگر ان کا نقش پا بھی نہیں
مری نجات کا پھر کوئی راستا بھی نہیں (۴۸)

ان کے شایاں ہو ایسا حرف سپاس
صرف لوح و قلم نے دیکھا ہے (۴۹)

ان سے اپنا شعور پایا ہے
نور سے ہم نے نور پایا ہے (۵۰)

محور ہستی فقط ذات رسول ﷺ
دین و دنیا مصطفیٰ تا مصطفیٰ
نظم دنیا میں توازن کے لیے
ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰ (۵۱)

تابش کی نعت گوئی ان کے تخلص کی آئینہ دار ہے حب رسول ﷺ نے ان کی شعری صلاحیتوں کو وہ تابش عطا کی ہے کہ اشعار قاری کے دل کو بھی روشن کر دیتے ہیں کہیں متضاد الفاظ ایسے نکتے پیدا کرتے ہیں کہ پڑھنے والا وجد میں آجائے اور بار بار پڑھنے کو جی چاہے نبی کریم ﷺ کے حضور التماس کے وقت ان پر سپردگی اور وارفتگی طاری ہوتی ہے شہر نبی کی جانب سفر کرتے ہوئے عجز، سرشاری، سرمستی اور حیرت کے احساسات باہم گھلے ہوئے ہیں۔

گدائے مصطفیٰ کیا ہو گیا ہوں
میں آپ اپنی تمنا ہو گیا ہوں
حرا کے خلوتی چشم کرم ہو
بھری دنیا میں تنہا ہو گیا ہوں

ذرا معراج والے دستگیری
میں عادی پستیوں کا ہو گیا ہوں(۵۲)

کس قدر روشنی ہے طیبہ میں
اس قدر روشنی میں کیا دیکھیں
راہ جاں سے چلا ہوں سوئے نبیؐ
دو جہاں میرا راستا دیکھیں(۵۳)

حرا سے لے کے تا شہر مدینہ
نظام نور کا اک سلسلہ ہے(۵۴)

شرف اجتبائی جس کو ملا
وہی سر خیل نوریاں یعنی
بے نظیری میں خود نظیر اپنا
بے مثالی کا خود نشاں یعنی
مہبطِ وحی و مرکز الہام
کاشف سرِّ کن فکاں یعنی(۵۵)

مجید امجد ان شعرا میں شامل ہیں جن کی شاعری صرف حلقے تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ اثر وسیع تھا ان کی نظمیں انفرادیت کی مثال ہیں مجید امجد کی شاعری میں حیات و کائنات کا شعور و ادراک ہے کلیات مجید امجد میں صرف ایک نعتیہ نظم "محبوب خدا سے" شامل ہے جس کے ابتدائی و آخری اشعار یہ ہیں:

نو بہارِ گلستان معرفت — یعنی اے روحِ روانِ معرفت
تیرے دل میں جلوہ رب جمیل — تیری محفل میں سرودِ جبرئیل
اہتمام اہتزاز کائنات — تیری اک ادنیٰ نگاہ التفات
قرب یاب در گہ یزداں ہے تو — ساقی خم خانہ عرفاں ہے تو
زندگی کی زندگی تو ہی تو ہے — روح کی تابندگی تو ہی تو ہے
میرے دل کو مہبطِ انوار کر — مجھ کو بھی بینندۂ اسرار کر (۵۶)

مجید امجد اگر نعت کو اختیار کرتے تو ایک منفرد تخلیقی زاویہ صنف نعت کو میسر آ سکتا تھا اگرچہ انھوں نے باقاعدہ نعت نہیں کہی لیکن سید منظور احمد نقوی کے مجموعہ نعت "بام عرش" پر اظہار رائے کرتے ہوئے مجید امجد نے نعت کے جن معیارات کا ذکر کیا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ نعت سے متعلق ان کا نظریہ کس قدر واضح اور وقیع ہے انھوں نے نعت کو عشق و محبت کی ایک شعری تہذیب اسی دنیا کے اندر رہتے ہوئے ایک بہتر اور مقدس دنیا کی دریافت اور فکر انسانی کی دوامی فضیلتوں کا مظہر قرار دیا ہے مجید امجد لکھتے ہیں:

> "عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ روح نعت ہے اور مقام مصطفوی کا سچا ادراک جان نعت ہے دونوں صفات ایک ہی جلوے کا پرتو ہیں اور یہ صفات جب آئینۂ شعر میں منعکس ہوں گی تو نعت اس رتبے کو پہنچ سکے گی جو اس کا مقصود ہے۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت کو حدود کفر میں داخل کر سکتی ہے ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے عجز بیان اہانت کا باعث بن سکتا ہے فن شعر کے لحاظ سے اس کام کے لیے کمال سخن وری اور نفس مضمون کے لحاظ سے اس کے لیے کمال آگہی درکار ہے اور پھر ان دونوں چیزوں کو جلا جس چیز سے ملتی ہے وہ عشق کا سرمدی جذبہ ہے ۔۔۔یوں نعت ایک مقدس آزمائش ہے۔ بیان عقیدت کی رو سے گویا ایمان کی آزمائش اور غایت جستجو کے ضمن میں قوّت ادراک کا امتحان سچی نعت لکھنے والوں کا مرتبہ انسانی اکتسابات کی معراج ہے۔"(۵۷)

حلقہ ارباب ذوق کے زیر اثر جن شعرا نے شاعری میں دھیما لہجہ اور علامتی و استعاراتی اسلوب اختیار کیا ان میں منیر نیازی، ناصر کاظمی، اعجاز فاروقی شہزاد احمد، عزیز تمنائی عرش

صدیقی اور شاذ تمکنت جیسے شعرا نے جہاں نعت کہی ہے وہ بھی اسلوب کی انھی خوبیوں سے عبارت ہے منیز نیازی کی شاعری میں ماضی کی بازیافت بطرز مختلف سامنے آتی ہے مختصر نعتیہ کلام میں ان کا مجموعی شعری مزاج جھلکتا ہے احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

''منیر کی شاعری بظاہر بہت سلیس بہت سیدھی سادی ہے مگر بین السطور اتنی گھمبیر ہے جیسے انا الحق کا نعرہ بظاہر بہت سادہ تھا مگر اس کے عقب میں انسان کی روحانی اور وجدانی واردات کی کائناتیں آباد تھیں''(۵۸)

منیر کے نزدیک رسول کریم ﷺ کا اعجاز و افتخار اور آپ ﷺ کے فیضان سے نوع انسانی کا اکتساب نور لفظوں میں سمیٹا نہیں جا سکتا عجز بیان در باب نعت میں اس کا اظہار کچھ یوں کیا ہے:

ایک بے رشتہ جہاں میں عالم خلق خدا
اور اس کے درمیاں اعلان فکر رہنما
ایک باطل وقت کے شام و سحر میں زندگی
ایک گم گشتہ حقیقت کے نگر میں زندگی
جس میں ناموجود تھا میں وہ زمانہ دور کا
وہ فضا اس دور کی اس میں جمال مصطفیٰ
جہل کی تاریکیوں میں شہر سا اک نور کا
باب روشن اس قدر تھا اس جہان حسن کا
رعب دل میں اس قدر تھا اس بیان حسن کا
حوصلہ مجھ میں نہ تھا تو بات کہتا کس طرح
یہ مرا منصب نہ تھا تو نعت کہتا کس طرح(۵۹)

''ماہ منیر'' کے ابتدائیے میں سہیل احمد نے منیر کی شاعری میں کونیاتی سفر اور ان کی شاعری پر قرآن حکیم کے اثرات کا ذکر کیا ہے رسول کریم ﷺ کی ذات حقیقت کے ادراک کا وسیلہ ہے غالباً یہی اس مجموعے کے انتساب کا محرک ہے منیر نے اسے رسول کریم ﷺ سے منسوب کیا ہے۔

ناصر کاظمی نے غزل کے مزاج اور لہجے کو بڑے جدید رنگ عطا کیے ہیں ارضی علائم و

رموز اور داخلی احساس کی آمیزش سے ناصر کا اپنا رنگ تشکیل پاتا ہے مگر روایت کے رنگ بھی ان کے کلام پر برابر سایہ فگن ہیں نعتیہ اشعار میں بھی نرم و شیریں اسلوب اپنایا ہے۔

"شجر حجر تمھیں جھک کر سلام کرتے ہیں
یہ بے زبان تمھیں سے کلام کرتے ہیں
مسافروں کو ترا در ہے منزل آخر
یہیں سب اپنی مسافت تمام کرتے ہیں (۶۰)

اشعار غالب پر تضمین کی مثال ملاحظہ ہو:

یہ کون طائر سدرہ سے ہمکلام آیا
جہان خاک کو پھر عرش سے سلام آیا
جبیں بھی سجدہ طلب ہے یہ کیا مقام آیا
زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے (۶۱)

شہزاد احمد اردو اور پنجابی کے اہم شعرا میں شامل ہیں تخلیق نظم و غزل کے علاوہ ترجمہ نگاری میں بھی اہم کام سر انجام دیے ہیں نفسیات سائنس، اسلام اور فلسفہ ان کے اہم موضوعات ہیں ان موضوعات سے انھوں نے غزل کا دامن وسیع تر کیا نعت انھوں نے قدرے کم کہی ہے نمونہ کلام حسب ذیل ہے:

ہے آپ کا کرم یہ میری خواہش نمو
گو خاک ہوں مگر مری نسبت ہے آپؐ سے
یہ آپ ہی کا فیض دلوں کا گداز ہے
ان برف کی سلوں میں حرارت ہے آپ سے (۶۲)

اعجاز فاروقی کی درج ذیل نعتیہ نظم میں آنحضور ﷺ کی آمد سے قبل پھیلا ہوا جہل کا اندھیرا اور آپ ﷺ کی آمد سے پیغام حق اور انور آگہی کا پھیلنا ظلمتوں کا روشنی میں بدلنا استعاراتی پیرایے میں بیان ہوا ہے۔

وہ افق کی سمت بہتا ہوا صحرائے بسیط
آسمانوں کی طرف اڑتی ہوئی ریت کے مثال

وہ ہر اک ذرے میں خورشید درخشاں کا طلوع
رات کے ماتھے پہ وہ چاندی کا جھومر
اس کی زلفوں میں چٹکتی ہوئی افشاں
فرش پر اونچے کھجوروں کے ستوں
منتظر ہے نور کے عرش کو شاخوں پہ بیٹھانے والے
مگر انسان تھا ان روشنیوں کا دشمن
لفظ پتھر تھے بتوں کی مانند
اور وہ آیا
وہ اک نور کی کملی اوڑھے
اس کی آنکھوں سے شعاعیں برسیں
ریت کی دھند چھٹی
اس کے ہونٹوں سے ترنم کی وہ لہریں پھوٹیں
لفظ پھر زندہ ہوئے
لفظ جن میں ہے خدا کا سایا
لفظ جن میں تیری میری تصویر (۶۳)

عزیز تمنائی نے اردو میں سانیٹ کا پہلا مجموعہ ''برگِ نوخیز'' لکھا جو ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا سانیٹ غنائی داخلی شاعری کی ایک قدیم صنف ہے چودہ مصرعوں کی اس نظم میں ایک بنیادی جذبہ یا خیال دو ٹکڑوں میں پیش کیا جاتا ہے پہلے آٹھ مصرعوں میں خیال کا پھیلاؤ اور بعد کے چھے مصرعوں میں اس کی تکمیل ہوتی ہے یوں یہ نظم دو بندوں میں تقسیم ہوتی ہے عزیز تمنائی کا نعتیہ سانیٹ ملاحظہ ہو جس میں اسلوب کا ایجاز اشاریت اور رچاؤ موجود ہے:

تاریکیوں کو طرۂ انوار بخش کر
ہمدوش مہر و ماہ کیا خار زار کو
کی مرحمت شگفتگی و شان رنگ و بو
ایسے نقوش کھینچے کہ قرطاس دہر پر
نقش دوام بن گیا انسانیت کا نام

روح چمن کو نعرۂ حق سے جھنجھوڑ کر
اوراق گل کو سلک اخوت میں جوڑ کر

پیشانی چمن پہ رکھی مہرِ احترام
ہستی کو جس پہ ناز ہے وہ ہستی عظیم
جس کا وجود باعثِ تخلیق کائنات
جس سے حریم ذات میں ہے جلوہ صفات
وہ منتہا وہ منزل ہر راہ مستقیم
اس حسن بے مثال کے اوصاف کیا کہوں
خیر البشر کہوں اسے خیر الوریٰ کہوں (۶۴)

شاذ تمکنت کو روایتی اور جدید شاعری کا درمیانی پل کہا گیا ہے شاذ تمکنت ایک نظم نگار کی حیثیت سے متعارف ہوئے لیکن جلد ہی غزل گوئی میں ابھی انفرادیت حاصل کر لی اس کے علاوہ شاذ کے ذخیرہ کلام میں قطعات، گیت، نعت و مناجات بھی شامل ہے اسلوب میں انوکھے تجربات کی کامیاب کاوشیں شاذ تمکنت کا خاصہ ہیں نعت میں بھی ان کا انداز دل کو گداز بخشتا ہے ان کے رنگ میں ایک نعتیہ نظم کے دو بند دیکھیے۔

آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے دولوں گا
دنیا جیسے ایک کھلونا
ہر پہلو رنگین سلونا
عمر کٹی ہے سمجھانے میں
اپنے آپ کو بہلانے میں
دفتر حسرت اپنے خدا کے آگے کیسے کھولوں گا
آپ ﷺ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولوں گا
کس سے پیماں باندھ رہا ہوں
خاک ہوں لیکن میں بھی کیا ہوں
کس کے ہجر کا غم سہتا ہوں

میری سنو میں کیا کہتا ہوں
گاہک ہوں گے چاند اور سورج جب اشکوں کو تولوں گا
آپ ﷺ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولوں گا(۶۵)

عرش صدیقی نے غزل نظم اور افسانہ نگاری کے علاوہ دوہے بھی لکھے ابتدا میں ان کے دوہے عادل فقیر کے فرضی نام سے شائع ہوتے رہے جن پہ دینی اور اخلاقی موضوع غالب ہیں سماجی ناہمواری اور ناانصافیوں پر فقیرانہ صدا کرتے دکھائی دیتے ہیں انھوں نے شکستہ اقدار پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے یہ پیغام دہرایا ہے کہ عدل و انصاف کا منبع اور مثالی نمونہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے یہ دنیاوی حکومت و طاقت کے طلبگار منافق حکمران انصاف کے اس اعلیٰ معیار کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ آپ ﷺ کی پیروی نہ کریں عرش صدیقی کے دوہوں سے چند مثالیں دیکھیے:

حاکم اور محکوم سبھی کو ہے اس گھر کی تلاش
جس پر سایہ افگن ہو، غم خواری کا آکاش
میرے پاس علاج ہے اس کا سنو فقیر کی بات
کالی کملی اوڑھ لو سارے ، کملی میں بارات(۶۶)

تیرا فقر عدالت والے بے حس رسم و رواج
میرا فخر محمد عادل پیر حلاج(۶۷)

عادل نام سوا احمد کے دے نہ کسی کو زیب
بس اک اس کا عدل ہے سچا باقی جھوٹ فریب(۶۸)

اس عادل کو بھول گیا تو جس کا احمد نام
جس کا عدل محبّت جس کا فیصل قول اسلام(۶۹)

ان دوہوں میں نعت بالواسطہ بیان ہوئی ہے جہاں عرش صدیقی نے بلاواسطہ نعت کہی ہے وہاں اسلوب اور زبان و بیان کی شیرینی اور روانی بڑی متاثر کن ہے نبی کریم ﷺ کی

ذات سے متعلق حقائق کے بیان میں شاعر کے لفظوں نے ایک نیا پن پیدا کر دیا ہے:

اے نبی دور جو تجھ سے بیٹھا رہا اس کی دنیا نہیں اس کی عقبیٰ نہیں
وہ زمیں کا نہیں آسماں کا نہیں وہ کسی کا نہیں گروہ تیرا نہیں
تیری رحمت کا سایہ ہر انسان تک تیری دانش کی زد حد امکان تک
کون ہے جس نے تیرا کہا پڑھ لیا اور پھر ٹوٹ کر تجھ کو چاہا نہیں (۷۰)

تو ہے سب سے بڑا اے نبی تو گیا تھا خدا تک ستاروں پہ چلتے ہوئے
تیری شب تاب کملی کے آفاق سے ہم نے سورج کو دیکھا نکلتے ہوئے
آفرینش سے تھا وقت کا قافلہ جستجو میں کہ ہے ذات کی اصل کیا
تیری دانش پہ آ کر مکمل ہوا ارتقا اپنی راہیں بدلتے ہوئے (۷۱)

حلقہ اربابِ ذوق کا دائرہ وسیع تھا۔ حلقے کی بدولت فنی امکانات کے حوالے سے مثبت تجربات کو فروغ ہوا۔ شاعری میں اس تنوع سے معاصر لکھنے والوں نے بڑا اثر مقبول کیا اور پھر ان شعرا نے خود بھی ادبی تجربات کا دائرہ وسیع کیا حلقے کی تحریک پر تخلیقی اساس استوار کرنے والے شعرا میں سے بعض نے تقدیسی ادب میں بھی نام کمایا۔ ڈاکٹر ریاض مجید کے ہاں نعت کے حوالے سے شاعری کے نمونے ساٹھ کے عشرے ہی سے دستیاب ہیں لیکن بعد کا طویل عرصہ غزل و نظم کی تخلیق میں گزارنے کے بعد پی ایچ ڈی کے لیے اردو نعت پر مقالہ لکھنے سے ان کا رجحان نعت کی طرف بڑھ گیا غزل کی ہیئت میں ان کے پانچ نعتیہ مجموعے اللھم صل علی محمد، اللھم بارک محمد، سیّدنا محمد، سیدنا رحیم، سیدنا کریم اور ان پانچ مجموعوں پر مبنی کلیات نعت بھی ۲۰۱۹ء میں شائع ہو چکا ہے ڈاکٹر ریاض مجید کی نعت کا امتیازی وصف تازہ کاری ہے انھیں تراکیب وضع کرنے میں، ملکہ حاصل ہے اور زمینوں کے انتخاب میں ان کی ندرت کو بڑے بڑے شعرا نے تسلیم کیا ہے۔ صنفِ نعت سے ان کا ارتباط امتداد زمانہ کے ساتھ ایک واضح پہچان بن چکا ہے وہ اپنے علم اور تجربے کی بدلت بے شمار جویان نعت کے رہبر اور پیشوا قرار دیے جاسکتے ہیں ان کے کلام میں بلند آہنگی اور شکوہ مستقل ہے احساس اور جذبات کا تاثر اسے زائل نہیں ہونے دیتا نعت کا مضمون کوئی بھی ہو ان کے اسلوب کی بلند سطح بر قرار رہتی ہے الفاظ نئے نئے پیرایوں میں سجتے ڈھلتے چلے آتے ہیں:

ہو نشوونما رات کی رقت کی فضا میں
ہو اشک نصیب آنکھ تو دل گریہ مقدر(۷۲)

کم سوا دوں سے کہوں" حی علی النعت" ریاض
حرم شاعری ،میں نعت اذاں ہو میری(۷۳)

بلیٰ کے ساتھ ہی صل علیٰ کہا ہم نے
درود خواں ہیں یہ عادت ازل سے رکھتے ہیں(۷۴)

مشاہدات سے کرتے ہیں عکس و لحن کشید
ثنا میں طرح نئی ہم نواؤ ڈالتے ہیں(۷۵)

ثنا و سیرت شاہ امم کے راستے کتنے
در فردوس تک پہنچے قلم کے راستے کتنے(۷۶)

بخش نعت ریاض کو حیرت
سدرۃ المنتہٰی سے آگے کی(۷۷)

وہ سینچتا ہے مجھے اپنی حب کے زم زم سے
خیال اس کا مژہ پر گہر اگاتا ہے
گلے سے اپنے ریاض ایسے زشت رووٗں کو
وہی پیمبر والا گہر لگاتا ہے(۷۸)

نعت شہ طیبہ میں ہر لحن ہے شرمندہ ، ہر سعی زباں کشز مر
لکنت زدہ سب لہجے ، ہر طرز ہنر ناقص ، ہر حرف بیاں کشز مشر(۷۹)

غزل کی ہیئت کے علاوہ ڈاکٹر ریاض مجید نے آزاد اور معرّیٰ نظم قصیدہ قطعات

رباعیات اور ہائیکو جیسی اصناف میں بھی نعتیں کہی ہیں حفیظ تائب لکھتے ہیں:

''ان کی اپنی اردو نعت غایت درجہ منفرد دلاویز توانا اور پر تاثیر ہے انھوں نے مضامین نو بہ نو کے انبار لگا دیے ہیں اور انداز بیاں ایسا اختیار کیا ہے کہ دل و دماغ دونوں کو جگمگاتا چلا جاتا ہے ز، مینوں کی ایجاد انتخاب میں طرفہ تازہ کاری ہے انھوں نے مطالعہ نعت ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نسبتِ اویسی شغلِ درود و مراقبات کی بدولت میسر آنے والے مشاہدات کو بھی موضوع نعت بنایا ہے حضوری کی کیفیات کا بیان ایسے نئے پیرایے میں کیا ہے کہ آنے والا کل بھی اسے پرانا نہیں کر سکے گا''(۸۰)

ڈاکٹر ریاض مجید کا تحقیقی مقالہ ''اردو میں نعت گوئی'' چھے ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول: نعت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور موضوع و فن

باب دوم: محرکات وماخذات عربی فارسی پس منظر

باب سوم: اردو کے قدیم نعتیہ نمونے اور جنوبی ہند میں نعت گوئی کا جائزہ

باب چہارم: شمالی ہند میں نعت گوئی کا جائزہ

باب پنجم: عصر جدید کی نعت گوئی

باب ششم: عصر حاضر کی نعت گوئی

مقالے کے آخر میں سات ضمیمے ہیں!

- اسمائے رسول مقبول ﷺ
- شروح بردہ
- میلاد نامے
- غیر مسلم شعرا کا نعتیہ کلام
- خواتین کی نعت گوئی
- نعتیہ ریکارڈ اور فلمی طرزوں پر لکھی گئی نعتوں کا جائزہ

اس مقالے نے نہ صرف ڈاکٹر ریاض مجید کو تحقیق و تنقید نعت میں اعتبار بخشا ہے بلکہ اس مقالے کی ہمہ جہتی بجائے خود کی گئی تحقیق کاموں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی دور حاضر کے نعت گو شعرا و شاعرات اپنے نعتیہ کلام پر ڈاکٹر ریاض مجید کی رائے کو وجہ افتخار گردانتے ہیں

ان کے لکھے ہوئے نعتیہ دیباچے تین جلدوں میں کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں نعت کے مہتمم بالشان موضوع پر یہ تحریریں بیک وقت اسلوب اور فکر کے رہبرانہ نکات رکھتی ہیں بلاشبہ آپ کی شخصیت عہد حاضر کے نعتیہ منظر نامے پر زبردست اثر رکھتی ہے۔

ڈاکٹر انور محمود خالد کا گراں قدر تحقیقی مقالہ ''اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ تقدیسی ادب پر کام والوں کے لیے وقعت و افادیت کا حامل ہے ڈاکٹر انور محمود خالد نے عمر عزیز کا بڑا حصہ علم و ادب کی رفاقت میں گزارا جس میں شاعری، نثر، تنقید، اقبالیات اور کئی دیگر شعبے شامل ہیں ان کا شعری سرمایہ مختصر ہے لیکن اس موجود سرمائے میں شاعری کے کلاسیکی معیار اور قدریں جھلکتی ہیں عصری شعور اور آگہی نے ان کے کلام میں متانت و سنجید گی پیدا کی ہے فکر اور عقیدے کے بنیادی سرچشموں سے فیض اٹھانے کے باعث ان کی سوچ نعتیہ شاعری میں مثبت اور باوقار تاثر پیدا کرتی ہے ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر انور محمود خالد کی نعت اپنے فکری پھیلاؤ اور فنی محاسن کے حوالے سے دامن کش دل ہے سیرت رسول کے تحقیقی مطالعے نے ان کی متاع فکر کو سیرابی اور شادابی کی دولت عطا کی ہے یہی وجہ ہے کہ سیرت رسول ﷺ کی رعنائی اور دل کشی کے کئی منظر ان کی نعتوں میں جگمگ جگمگ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔۔۔ ان کی نعت اگرچہ روایتی رنگ و آہنگ کی حامل ہے مگر فکری عمق فنی شعور اور طرز احساس کی گیرائی نے اسے انفرادیت کا ذائقہ عطا کیا ہے زبان و بیان کی دل پذیری اور اظہار کی ندرت اپنا جادو جگاتی ہے جو شعر کی تاثیر کو دوچند کر دیتی ہے''(۸۱)

ڈاکٹر انور محمود خالد نے نعت میں مروجہ مضامین کو جس اسلوب میں بیان کیا ہے اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

مستقل سایہ فگن ہم پہ نگاہیں اس کی
اپنے ہالے میں لیے رہتی ہیں باہیں اس کی
مرتکز ایک ہی سورج پہ ہیں ساری کرنیں
ایک منزل کی طرف جاتی ہیں راہیں اس کی

عمر بھر شاخ عبادت پہ شگوفے نہ کھلیں
مہرباں ہوں نہ اگر ہم پہ نگاہیں اس کی
سفر نور میں سب روشنیاں ماند ہوئیں
کہکشاں کیا ہے فقط دو دھیا راہیں اس کی(۸۲)

وقف میری زبان تیرے لیے
یہ جواہر کی کان تیرے لیے
تو ہے صبح ازل کی پہلی کرن
جلوۂ خاکدان تیرے لیے(۸۳)

نام تیرا اگر نہ ہو میرے نفس نفس کی لے
کارِ فضول سب کلام ، کارِ فضول سب حیات(۸۴)

ریاض حسین چودھری کا نام جدید اردو نعت میں بہت اہم ہے ان کی نعت بیک وقت واردات قلبی، عصری شعور اور سوزش ملت سے گندھی ہوئی ہے ریاض حسین چودھری حلقہ ارباب ذوق سیالکوٹ کے دو دفعہ جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے ان کی لفظیات میں نیا پن اور گہرا جمالیاتی تاثر ہے نعت میں جو کیفیات ان کے ہاں بیان ہوتی ہیں ان میں ایک تسلسل ہے جو کبھی سیل بے پناہ اور کبھی جوئے سبک رو کی صورت اختیار کرتا ہے مگر تھمتا نہیں ہے۔ یہ زود گوئی انھیں مبہم تجربات کا موقع نہیں دیتی اور وہ طبعاً اس کے خواہاں بھی معلوم نہیں ہوتے کلام میں ندرت کا شوق بھی محض اس محرک کا نتیجہ ہے کہ عشق کی سرخوشی، خوش بیانی میں ڈھلنا چاہتی ہے ورنہ اہل فن پر دھاک بٹھانا انہیں مقصود نہیں رنگ، خوشبو، پھول، تتلی جگنو روشنی چاند، ستارے جیسے الفاظ اردو و شاعری میں ہمیشہ سے مستعمل ہیں اور بالخصوص غزل کے پیکر میں سو سو طرح اپنی چھب اور نزاکت دکھاتے رہے ہیں شاعر کا دستِ ہنر لفظوں کے تیور اور تلازمات بدل دیتا ہے ریاض صاحب کو غزل میں نعت کی کھری شاعری سمو دینے پر بجا طور پر فخر ہے متذکرہ بالا الفاظ کو انھوں نے اس روپ میں ادا کیا ہے کہ حسن فطرت کا ہر زاویہ فیض رسالت میں سرشار نظر آتا ہے ایک سچے امتی کی

طرح وہ آیندہ نسلوں کو بھی عشق رسول کے جواہر سے مالا مال دیکھنا چاہتے ہیں ان کے کلام میں خیال اصلی صورت میں بے ساختہ ادا ہوتا ہے۔ مجازی قرینوں میں بھی ان کا شعر متذبذب نہیں ہوتا بلکہ صریحاً نعت ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ وہ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں عصر حاضر کے تمام فکری مغالطوں سے نکل آنے کی راہ دکھاتے ہیں۔ حضور ﷺ کی بارگاہ میں امت کا حال عرض کرتے ہوئے ان کے لفظ گواہی دیتے ہیں کہ ان میں سماجی اور سیاسی المیوں سے آگاہی اور جبر و استحصال کا کرب پنہاں ہے مذکورہ خصوصیات کی حامل چند مثالیں دیکھیے:

عالم ارواح میں مجھ کو قلم بخشا گیا
عشق کے رکھے گئے میری جبلت میں چراغ(۸۵)

انوار کی بارش میں مجھے ایسے لگا ہے
جیسے میں کئی چاند ستاروں سے بنا ہوں(۸۶)

طائف کے سنگ ہاتھ میں لے کر سر بدن
فصل یقین و عزم اگائیں گی تتلیاں(۸۷)

بچے کھڑے ہیں گھر کی کنیزوں کے درمیاں
آقا قبول ہو میری نسلوں کا انکسار(۸۸)

ہر ورق پہ سسکیاں چھوٹے ممالک کی حضور
گنبد خضریٰ کا موسم آج کے اخبار پر(۸۹)

ریاض صاحب نے نعت رنگ کے ایک مضمون میں لکھا کہ غزل کی داخلی کیفیات کا پورا نظام بنیادی طور پر نعت گو کا فنی حوالے سے تربیتی نصاب ہے خود ان کی نعتیہ غزل اس بات کی شاید ہے کہ انھوں نے اس نصاب سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور دیگر اہل سخن سے بھی یہی تقاضا کیا ہے کہ اظہار و ابلاغ کی قوتیں لایعنی تفکرات اور بے سمت خیالات میں

صرف نہ ہونے پائیں:

سخن ابہام کے کوچے میں آ نکلا ہے ہم نفسو!
عروس شعر کو نعت نبی ﷺ کے سرخ گہنے دو(۹۰)

تو نے ریاض اذن خدا سے بصد خلوص
کشت غزل میں نعت کا موسم اگا دیا(۹۱)

ریاض حسین چودھری کا اولین مجموعہ 'زر معتبر' ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا ان کی زندگی میں ان کے ۲۳ نعتیہ مجموعے مکمل ہوئے جن میں سے ۱۳ شائع ہو چکے تھے بقیہ مجموعے ان کی وفات کے بعد شائع ہوئے جن میں سے ورد مسلسل آخری مجموعہ ہے ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط لکھتے ہیں:

"ریاض کے بیس سے زائد مجامع کو ان کی زود گوئی یا بسیار گوئی پر محمول نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ شوق کی وارفتگی اور جذبات کے وفور کے سہارے شگفتہ روی کے ساتھ محو درود کائنات میں آخری نجات کی پناہ گاہیں تلاش کرتے ہیں ان کا ہر نعتیہ مجموعہ گویا ان کے جہد مسلسل کی ایک منزل ہے جیسے پانے کے لیے استقلال کی کسوٹی شرط ہے۔"(۹۲)

ریاض حسین چودھری کا نام صرف نعت کے تخلیق کاروں ہی میں نہیں بلکہ تنقید نگاروں میں بھی اہم ہے۔ نعت سے متعلق ان کی نثری تحریریں، تبصرے، تنقیدات، حج سے متعلق سفر کی صورتحال اور انٹرویو کو" نعت کے تخلیقی زاویے" کے عنوان سے جمع کیا گیا ہے۔"ریاض حسین چودھری کا جہانِ فن" کے نام سے ریاض صاحب کے علم و فن پر مضامین جمع کیے گئے ہیں ان دونوں کتب کے مرتب شیخ عبد العزیز دباغ ہیں۔

ساحل احمد کی کتابوں کی فہرست طویل ہے وہ گوشہ نشین رہے مگر تحقیق و تنقید میں اعلیٰ کام سر انجام دیے ادب پر ان کی گہری نظر ہے شاعری میں ان کا انداز منفرد اور مبنی بر صداقت ہے ادب پر ان کی گہری نظر ہے شاعری میں بیان کردہ تجربات ان کے استقلال کا پتا دیتے ہیں وہ خود کہتے ہیں کہ میں جو لکھتا ہوں قرآن و سنت کے احکامات کے مطابق لکھتا ہوں اور سچ بولنے کے لیے بڑی سے بڑی قیمت چکانے کو تیار ہوں دنیاوی لہو لعب سے میرا

کوئی رشتہ نہیں میرا قلم تابع حق ہے اس رویے نے ان کی تحریروں میں احتیاط اور توازن قائم رکھا ہے ساحل احمد کی نظموں میں پیغام قرآن و سنت کا ادغام انھیں حمد و نعت بنا دیتا ہے ان کے مجموعے ''لایعلمون'' کی نظمیں آیاتِ قرآنی کی تفسیر معلوم ہوتی ہیں۔ ان نظموں میں تعلیماتِ قرآن بلاواسطہ بیان ہوئی ہیں۔ ایسے نمونے جا بجا ملتے ہیں جن میں یہ پیغام شعریت آمیز ہے:

پرندے صبح کو سوئے مشرق جاتے ہیں
کس لیے کس سے ملنے جاتے ہیں؟
کیا رزق ،مغرب میں نہیں؟
کیا سفر قیام سے بہتر ہے؟
کیا سفر بھی جزو مذہب ہے؟
کیا سفر بھی سنت ہے؟(۹۳)

نعت کے حوالے سے ساحل احمد کا ایک قابل ذکر کام '' انتخاب نعت'' ہے جو بارگاہ رسول ﷺ میں'' کے نام سے شائع ہوا اس انتخاب میں شامل نعتیں شعرا کے انفرادی اسلوب بلکہ بحیثیت مجموعی صنف نعت کے ایک اہم ارتقائی موڑ کی عکاس ہیں جدیدیت پسند عہد میں جہاں نظم کے امکانات وسیع ہوئے وہاں نعت میں بھی اظہار کے دل کش پیرائے سامنے آئے جو نہ صرف فکری و معنوی اعتبار سے تازگی کے حامل ہیں بلکہ جو زبان و بیان کے خوبصورت سانچوں میں ڈھلے ہوئے ہیں گویا یہ انتخاب غیر روایتی نعتوں کا عمدہ انتخاب ہے ساحل احمد کا اپنا کلام بھی اس میں شامل ہے۔

کتنی خوشبو کاغذ پر
نام نبی ﷺ کا لکھا ہے
سب سے پہلے رب نے ہی
نام تمھارا لکھا ہے
رنگ گلابی پتوں کا
گل نے کلمہ لکھا ہے(۹۴)

روز ازل کا پہلا دن
رب نے لکھا تیرا نام
باغ جناں کے پھولوں نے
پیار سے گوندھا تیرا نام
دونوں جگ میں ساحل جی
ذکر نبی سے چمکا نام(۹۵)

اقبال ساجد اپنے عہد کے اہم ترین غزل گوؤں میں شامل ہیں مزاحمتی موضوعات اور خاص لب ولہجہ ان کی پہچان ہے ان کی لفظیات منفرد اور لہجہ اپنی مخصوص شناخت کا حامل ہے ان کے معاصر شعرا نے اقبال ساجد کے شعری مقام و مرتبے کا اعتراف کیا اور سراہا ہے کلیات اقبال ساجد میں مختصر نعت شامل ہے۔ ان اشعار سے ان کے شعری اسلوب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

تری تعریف کو تو پھول ایسے لفظ لکھے تھے
جو دیکھا غور سے تو چاند کاغذ پر نظر آئے
زمانہ آج تک اس روشنی کی کاشت کرتا ہے
جو تو نے بوئی تھی وہ فصل اب گھر گھر نظر آئے
سبک روکشتیوں نے جب بھی تیرے گیت گائے ہیں
نشیبوں میں جو دریا تھے بلندی پر نظر آئے(۹۶)

صلاح الدین پرویز نے خود کو کسی نظریاتی وابستگی کا پابند نہیں کیا مگر وہ ان شعرا میں شامل ہیں جن کی تخلیقی اساس حلقہ ارباب ذوق پر ہے دراصل حلقہ ارباب ذوق کے خمیر میں بھی نظریاتی وابستگی کا لازمہ شامل نہ تھا لہٰذا حلقے کے زیر اثر شعرا کے فن اور تخیل کی آزادانہ پرورش ہوئی ڈاکٹر طارق ہاشمی لکھتے ہیں:

”اردو شاعری میں دو شاعر ایسے ہیں جن کے پاس موضوعاتی رنگارنگی اور فکری وسعت کے باوجود ان کے کلام کا بنیادی آہنگ نعتیہ ہے ان کی کوئی بھی نظم یا شعری تخلیق ملاحظہ کر لی جائے تو فکری لحاظ سے جو زیریں لہر رواں دواں دکھائی

دیتی ہے وہ نعت کی ہے مذکورہ شعرا میں پہلا نام اقبال ہے جبکہ دوسرے صلاح الدین پرویز ہیں۔"(۹۷)

میدان نقد و ادب میں صلاح الدین پرویز کی شعری انفرادیت کو کماحقہٗ اجاگر نہیں کیا گیا انھوں نے نعت کے لیے خط کا پیرایہ استعمال کیا جو بجائے خود ایک مختلف تجربہ ہے صلاح الدین پرویز کے ہاں تاریخ و تہذیب کے ارتقا کا بھرپور ادراک اور اس سے فکر کی نشوونما کا عمل نظر آتا ہے اس عمل میں فیضان رسالت اول تا آخر سایہ فگن ہے پھر اسلوب اور زبان و بیان کا جمال اپنی جگہ ہے بلاشبہ یہ کامیاب شعری تجربات ہیں جو روایت سے تربیت پائے ہوئے تخلیقی شعور اور جدید اسالیب شعر اور فکری ترفع سے مزین ہیں صلاح الدین پرویز نے پیغام رسول ﷺ کو جس طرح اجاگر کرنے کی سعی کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے صلاح الدین پرویز کے خطوط میں نوخط رسول ﷺ کے نام ہیں اس کے علاوہ مجموعے کا "آخری خط" بھی محمد رسول اللہ سے منسوب ہے۔ مجموعہ "دشتِ تحیّرات" کا انتساب بھی" کالی کملی والے کے نام" ہے اس کے حصے "باب محمد" میں تین نعتیہ نظمیں ہیں پھر رسول اللہ کے لیے پانچ گیت ہیں جن کے عنوان ہیں عائشہ جی کی پیاری گڑیا رسول اللہ کی مہندی، رسول اللہ کا سرمہ، رسول اللہ کی کنگھی، رسول اللہ کی کملی۔۔۔ یہ تخلیقات عشق و محبت میں بسی ہوئی ہیں جن میں عجیب سرمستی و رعنائی ہے ان گیتوں کے بعد نظم "اے محمد وہ ایسا کیوں چاہتے ہیں" میں شاعر کے استفسارات اپنے عصر کے فکری زوال کا کرب انگیز اظہار ہیں طلع البدر علینا کے عنوان سے حضور ﷺ کی یثرب میں آمد، اہل یثرب کی مسرت اور آنے والے انقلاب کی خوش خبری ہے۔

صلاح الدین پرویز کے مجموعے دھوپ سمندر، سایہ کا انتساب بھی "پیارے رسول اللہ کے لیے" ہے اس مجموعے پر تبصرہ کرتے ہوئے گوپی چند نارنگ نے صلاح الدین پرویز کی نظموں کو کسی بھی تنقیدی یا ادبی فلسفے سے ماورا انفرادی کائنات کا اظہار قرار دیا ہے ان نظموں میں انوکھے نئے استعارے ہیں اور ان میں روحانی سربلندی اور سرشاری کا وزن ہے جس کے تحت یہ نظمیں عشقِ رسول اور اسلامی فکر کے تابندہ نقوش پیش کرتی ہیں۔(۹۸)

صلاح الدین پرویز کے کلام کی انفرادیت کے وضوح کے لیے جس قدر مثالیں درکار ہی یہاں اس طوالت کی گنجائش نہیں دو نظموں سے مثال دیکھیے:

اے محمدؐ!
یہ جو آپ کا اسم عظیم رٹتے رٹتے
میرے دانت مسی ہو گئے ہیں
وہ انھیں اپنے مکر کے سرخ سورج کی دھوپ سے
پارہ پارہ کر دینا جانتے ہیں
اے محمدؐ!
یہ جو میں نے آپ کے ملن کی اچھا میں
شرنگار رس کے موتیوں سے سجی چاندی کی جھانجریں
پہن رکھی ہیں
وہ انھیں اپنے لہب ولعب سے مونج کی ایک بل دار رسی میں
تبدیل کر دینا چاہتے ہیں (۹۹)

۱۱ اگست ۱۹۸۴ء کو لاہور کی شاہی مسجد میں رسول اللہ کے دو پاؤں کے نشان دیکھ کر کہی گئی خوبصورت نظم اللہ کے نام خط کی صورت میں لکھی گئی ہے:

وہ کون ہے جو زمین پہ اپنی نگاہ کے بوسے رکھ گیا ہے
وہ کون ہے جو ہمارے دل پر پناہ کے تحفے رکھ گیا ہے
وہ کون ہے جو ہماری حیرت کی بستیوں میں
حسین اک چھاؤں رکھ گیا ہے
وہ کون ہے جو تمام ارض وسما کی پلکوں کی بستیوں میں
گداز دو پاؤں رکھ گیا ہے
کہ اب زمیں کا ہر اک چہرہ
کہ اب فلک کا ہر اک ستارہ
بہت پرانا بہت ہی بد شکل لگ رہا ہے
بہت بنائے ہیں تو نے چہرے
مگر وہ دو پاؤں جو بنائے
تمام چہروں سے خوبصورت

وہ میرے ماتھے کی بندگی ہیں
وہ میری آنکھوں کی روشنی ہیں
وہ فجر میرے وہ ظہر میرے
وہ عصر میرے وہ غرب میرے
عشا کے لمحوں میں آگے پیچھے
وہی سلامت وہی سنہرے
بہت بنائے ہیں تونے چہرے
مگر وہ جو دو پاؤں بنائے
تمام چہروں سے خوبصورت
بزرگ و برتر!
عظیم برحق!
اے مشرقینی! اے مغربینی!
جہاں مکانی اے لامکانی!
اگر اجازت تو اک سجدہ
بس ایک سجدہ میں ان کو کرلوں
بہت بنائے ہیں تونے چہرے
مگر وہ دو پاؤں جو بنائے
تمام چہروں سے خوبصورت (۱۰۰)

حلقہ ارباب ذوق کے جن شعرا کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ بھی بعد کے برسوں میں حلقے سے منسلک کئی شعرا نے دیگر اصناف کے ساتھ نعت میں بھی خوبصورت نقش اجاگر کیے ہیں۔ جلیل عالی کی منفرد تخلیق "نور نہایا رستہ" ایک خاص تفکراتی فضا کی حامل ہے آپ ﷺ کی ذات اس نظم کا مرکزی کردار ہے جس سے وابستہ معیارات عالیہ انسانیت کو تکمیل کی دعوت دے رہے ہیں مختصر بلیغ اشاروں میں سیرت رسول ﷺ کے گوناگوں پہلوؤں کو بیان کرنا شاعر کا فنی کمال ہے۔ معراج سے متعلقہ درج ذیل اشعار دیکھیے:

اس کے نقوش پا کی ضیا سے روشن کاہکشاں سا رستہ
اس کے خرام نور فزا سے شب زاروں میں چمکا رستہ
اک رفتار کے صدیوں والا پل دو پل میں نمٹا رستہ
فرش غار حرا سے لے کر عرش علیٰ تک جاتا رستہ
اس کے سفر کی سمت مطابق وقت نے اپنا بدلا رستہ(۱۰۱)

جاذب قریشی جدید لہجے کے نمائندہ شعرا میں شامل ہیں ان کی شاعری جس تفکر اور علامتی اظہار سے عبارت ہے اس کی بدولت جاذب کے ہاں زبان و بیان کو خوبصورتی نامانوسیت اور ادق کے باجود بر قرار ہے ان کی جدت پسند طبع نے اسلوب کے بنے بنائے سانچوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کا فن نئی راہیں تراشتا ہے۔ جاذب کے فن اور شخصیت کے یہ پہلو ان کی نعتیہ شاعری میں بھی موجود ہیں۔

دشمن لہو کو امن کی پوشاک کر دیا خنجر تمام توڑ دیے انتقام کے
لہجے عداوتوں کے وہ منسوخ کر گئے آواز کو سکھائے ہنر احترام
تبسموں کے اجالے شفاعتوں کے حرم مجھے بلا کہ میں تجھ پر نثار ہو جاؤں
میں اپنے عہد کا صحرا ہوں مجھ کو حسرت ہے ترے حضور گروں آبشار ہو جاؤں(۱۰۲)

نعتیہ نظم لوح جاں کا ایک ٹکڑا:

تیری آواز تھی روشنی کا سفر
برف پگھلی تو سورج چمکنے لگا
تو نے صحرا کی اڑتی ہوئی ریت کے درمیاں
بے چراغاں زمینوں پر گھر رکھ دیے
۔۔۔ تیری چھاؤں میں زخمی بدن آ گئے
تو نے دریا میں پیاسے شجر رکھ دیے(۱۰۳)

قیوم طاہر کی درج ذیل نعت دیکھیے جس میں بیان کی خوبصورتی اور انسان کے داخل و خارج پر تعلیمات محمدی کے اثرات عمدگی سے پیش ہوئے ہیں:

نام کیا لکھا کہ اندر تک اجالے آ گئے
تجھ کو بس سوچا کہ تکمیل ہنر ہوتی گئی

تیری کرنوں سے جہانوں میں ہوا میرا طلوع
میری مشتِ خاک انوار سحر ہوتی گئی
وہ بھی کیا ہجرت تھی جس نے اعتبار ایسے دیے
چاہ گلیوں اور گھروں کی بے اثر ہوتی گئی(۱۰۴)

خورشید رضوی نے غزل کی ہیئت میں بھی نعت کہی ہے ان کی نظم "مدینہ میں" سے ایک ٹکڑا دیکھیے جس میں یاد مدینہ نئے زاویوں سے بیان ہوئی ہے اور دعوت دیتی ہے کہ سفر مدینہ کو تطہیر شعور اور تعمیر عزم کا وسیلہ ہونا چاہیے دیارِ نبی ﷺ میں قیام کا ماحصل محض وقتی جذباتی لفظی اظہار نہ ہونا چاہیے:

اے احد تجھ سے محبت ہے مجھے
اے احد تجھ سے محبت تھی میرے مولا کو
اے احد تجھ کو محبت تھی میرے مولا سے
اے احد آج بھی دامن میں تیرے
ہے وہی ہیبت حمزہ کا جلال نفس باز پسیں
جیسے اک شیر کی آنکھ
کسی روبہ پہ ٹھہر جائے حقارت لے کر
شاہراہیں ہیں کہ اژدر ہیں جو نگلے ہوئے ہیں
کتنے نشیب و فراز
جن سے وابستہ میرا کھویا ہوا حافظہ ہے(۱۰۵)

عقیل عباس جعفری کو ریڈیو پاکستان کی طرف سے بہترین نعت گو کا ایوارڈ بھی حاصل ہوا۔ عقیل جعفری بیک وقت مصنف صحافی، شاعر، محقق اور مورخ ہیں نعت میں ان کا مزاج ملاحظہ ہو:

رکھتے ہیں صرف اتنا نشاں ہم فقیر لوگ
ذکر نبی جہاں ہے وہاں ہم فقیر لوگ
خلوت نشینی و دم غربت کے باوجود
دست عطا سے کب ہیں نہاں ہم فقیر لوگ(۱۰۶)

حلقہ ارباب ذوق کی سر گرمیوں کا سلسلہ گزشتہ آٹھ نو دہائیوں سے جاری وساری ہے ایک مدت سے نعتیہ مشاعرے بھی ان سر گرمیوں کا حصہ ہیں حلقے سے وابستہ شعرا کی تعداد کثیر ہے جن کا یہاں فرداً فرداً احاطہ کرنا محال ہے البتہ محدود زمانے کے اندر رہتے ہوئے جن شعرا کی نعتوں کا حوالہ دیا گیا اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ حلقے کے شعرا نے معاصر تحاریک اور ادبی رجحانات سے بڑھ کر جس طرح شعری اسالیب و تجربات کا دامن وسیع کیا ہے۔ نہ صرف ان کی شاعری کو بحیثیت مجموعی تنوع بخشا ہے بلکہ چمن زار نعت میں ایسے پھول کھلائے ہیں جن میں حلقہ ارباب ذوق کے شعری رویوں کی بدولت نرم، شیریں، لطیف لہجہ فروغ پذیر ہوا لفظیات کا جمال سطحی نہیں بلکہ یہ نرمی لطافت اپنے اندر جہان معانی سموئے ہوئے ہے اس استعاراتی محاکاتی اور علامتی انداز سے نعت کا دامن وسیع تر ہوا ہے مشاہداتی اور حسیاتی نعت سامنے آئی ہے گویا حلقہ ارباب ذوق کے زیر اثر نعت گوئی مفید ثمرات سے بہرہ ور ہوئی۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۹۹ء ص:۵۶۹
۲۔ قیوم نظر، قلب و نظر کے سلسلے، سنگ میل، لاہور، ۱۹۸۷ء ص:۱۹
۳۔ ایضاً ص:۲۳
۴۔ ایضاً ص:۲۵
۵۔ ایضاً ص:۲۹
۶۔ ایضاً ص:۳۹
۷۔ ایضاً ص:۴۷
۸۔ ایضاً ص:۴۹
۹۔ ایضاً ص:۵۳
۱۰۔ ایضاً ص:۵۹
۱۱۔ ایضاً ص:۶۲
۱۲۔ ایضاً ص:۶۶
۱۳۔ ایضاً ص:۷۸
۱۴۔ مخزن نعت، مرتبہ: پروفیسر محمد اقبال جاوید، نعت ریسرچ سینٹر' کراچی ۲۰۲۱
۱۵۔ نعت رنگ شمارہ:۱۶ اقلیم نعت کراچی، ۱۹۹۸ء ص:۳۹۵
۱۶۔ نقد نعت کی تخلیقی جہات، مرتبہ صبیح رحمانی، اکادمی بازیافت، ۲۰۲۲ء ص:۱۰۶
۱۷۔ سی حرفی از مختار صدیقی، مکتبہ طبع زاد، کراچی س، ن ص:۲۱، ۲۰
۱۸۔ مخزن نعت ص:۱۱۴
۱۹۔ پاکستانی ادب ۱۹۹۰، انتخاب شعر مرتبہ : شہزاد احمد اکادمی ادبیات اسلام آباد اگست ۱۹۹۱ءِ ص:۱۹

۲۰ ۔ پاکستانی ادب ۱۹۹۱، مرتبہ توصیف تبسم، آفتاب شمیم اگست ۱۹۹۲ء ص:۱۰
۲۱ ۔ کلیات صوفی تبسم ماہد اپبلشرز لاہور، ۱۹۹۰، ص:۵۳
۲۲ ۔ ایضاً ص:۵۹
۲۳ ۔ ایضاً ص:۶۱
۲۴ ۔ ایضاً ص:۶۸
۲۵ ۔ لمعات انور، از سردار انور خان، دارالاشاعت بمبئی ۱۹۶۸ء ص:۲۰۶
۲۶ ۔ برگ سبز، از اختر ہوشیار پوری ۱۹۸۷ء ص:۱۳
۲۷ ۔ مجتبیٰ، از اختر ہوشیار پوری، سنگ میل، ۱۹۹۷ء ص:۹
۲۸ ۔ خاتم المرسلین، از اختر ہوشیار پوری، راولپنڈی، ۲۰۰۳ء ص:۱۰
۲۹ ۔ مجتبیٰ، ص:۲۴
۳۰ ۔ رسالت مآب، از اختر ہوشیاپوری، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء ص:۳۲
۳۱ ۔ برگ سبز، ص:۲۴
۳۲ ۔ ایضاً ص:۲۵
۳۳ ۔ ایضاً ص:۳۱
۳۴ ۔ ایضاً ص:۲۰
۳۵ ۔ ایضاً ص:۳۱
۳۶ ۔ ایضاً ص:۳۶
۳۷ ۔ برگ سبز ص:۳۹
۳۸ ۔ رسالت مآب ص:۲۸
۳۹ ۔ برگ سبز، ص:۱۹
۴۰ ۔ ایضاً ص:۳۰
۴۱ ۔ مجتبیٰ، ص:۳۲

۴۲ ۔ ایضاً ص:۱۹

۴۳ ۔ ایضاً ص:۳۳

۴۴ ۔ تقدیس، از تابش دہلوی، ادب گاہ، کراچی، ۱۹۸۵ء ص:۱۲

۴۵ ۔ چراغ صحرا، از تابش دہلوی ادب گاہ کراچی، ۱۹۸۲ص:۱۲

۴۶ ۔ تاب غزل، از تابش دہلوی، آرزو، مجلس کلکتہ س۔ن۔ ص:۳۱

۴۷ ۔ نعت رنگ، شمارہ:۰۳ ستمبر ۱۹۹۶ اقلیم نعت کراچی ص:۲۹۰

۴۸ ۔ تقدیس ص:۳۵

۴۹ ۔ ایضاً ص:۳۸

۵۰ ۔ ایضاً ص:۴۲

۵۱ ۔ ایضاً ص:۴۷

۵۲ ۔ ایضاً ص:۱۷

۵۳ ۔ ایضاً ص:۸۰

۵۴ ۔ ایضاً ص:۸۵

۵۵ ۔ ایضاً ص:۱۰۲

۵۶ ۔ کلیات مجید امجد ماورا پبلشرز ۱۹۹۱ء ص:۴۹

۵۷ ۔ نقد نعت کی تخلیقی جہات مرتبہ صبیح رحمانی، اکادمی بازیافت ۲۰۲۲ء ص:۳۳

۵۸ ۔ کلیات منیر ماورا پبلشرز ۱۹۸۶ء ص:۱۲

۵۹ ۔ کلیات منیر (مجموعہ: پہلی بات ہی آخری تھی) ص؛۱۳

۶۰ ۔ بارگاہ رسول میں مرتبہ ساحل احمد اپلائیڈ پبلی کیشنز دہلی، ۲۰۰۲ء ص:۲۳۰

۶۱ ۔ نعت رنگ:۱۶ اکتوبر ۲۰۰۱ء کراچی، ص:۳۴۱

۶۲ ۔ مخزن نعت، ص:۲۴۰

۶۳ ۔ بارگاہ رسول میں، ص:۲۵،۲۶

۶۴۔ برگ نوخیز،عزیز تمنائی دارلتصنیف مدراس۱۹۶۳ص:۲
۶۵۔ نیم خواب،از شاز تمکنت نثراد کتاب گھر حیدرآباد۱۹۷۷ءص:۱۶
۶۶۔ کلیات عرش صدیقی،مقتدرہ قومی زبان۲۰۱۳ءص:۱۸۲
۶۷۔ ایضاًص:۱۹۰
۶۸۔ ایضاًص:۱۸۹
۶۹۔ ایضاًص:۱۹۴
۷۰۔ ایضاًص:۲۴۳
۷۱۔ ایضاًص:
۷۲۔ اللھم صل علی محمد،ڈاکٹر ریاض مجید نعت اکادمی فیصل آباد۱۹۴۲،ص:۱۵
۷۳۔ ایضاًص:۱۶
۷۴۔ اللھم بارک علیٰ محمد ڈاکٹر ریاض مجید،نعت اکادمی،۲۰۰۵ءص:۱۵
۷۵۔ ایضاًص:۱۹
۷۶۔ ایضاًص:۳۲
۷۷۔ ایضاًص:۱۲۲
۷۸۔ ایضاًص:۲۰
۷۹۔ سیدنا محمد،ڈاکٹر ریاض مجید نعت اکادمی۲۰۰۳ءص:۱۰۱
۸۰۔ فلیپ،اللھم صل علیٰ محمد
۸۱۔ نعت رنگ:۳۱،نعت ریسرچ سینٹر کراچی،مئی۲۰۲۲ءص:۳۰۴
۸۲۔ ایضاًص:۳۰۷
۸۳۔ ایضاًص:۳۰۸
۸۴۔ ایضاًص:۳۰۹
۸۵۔ ورد مسلسل،ریاض مجید چودھری ریسرچ سینٹر کراچی،۲۰۲۱ص:۲۶

۸۶ ۔ ایضاً ص:۱۰۸

۸۷ ۔ ایضاً ص:۵۱

۸۸ ۔ ایضاً ص:۱۶۶

۸۹ ۔ ایضاً ص:۲۸۵

۹۰ ۔ ایضاً ص:۲۷۰

۹۱ ۔ ایضاً ص:۴۷

۹۲ ۔ ریاض حسین چودھری کا جہان فن، مرتبہ، شیخ عبدالعزیز دباغ نعت ریسرچ سینٹر کراچی، ۲۰۲۲ء ص:۳۴۹

۹۳ ۔ لایعلمون"، ساحل احمد، اردو رائٹرز گلڈ، الٰہ آباد ۱۹۹۶ء، ص:۵۹

۹۴ ۔ بارگاہ رسول میں ص:۱۲۰

۹۵ ۔ ایضاً ص:۱۲۱

۹۶ ۔ کلیات اقبال ساجد، جنگ پبلشرز ۱۹۹۳ء، ص:۵۳

۹۷ ۔ اردو نعت میں تعظیمی بیانیہ ڈاکٹر طارق ہاشمی، نعت ریسرچ سینٹر کراچی، ۲۰۲۲ء، ص:۱۵۵

۹۸ ۔ دھوپ، سمندر، سایہ، صلاح الدین پرویز صبوحی پبلی کیشنز دہلی ۱۹۸۱ء ص:۱۴

۹۹ ۔ دشت تحیرات، صلاحالدین پرویز، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دلی ۱۹۹۹ء ص:۴۵

۱۰۰ ۔ صلاح الدین پرویز کے خطوط ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۸۸ء، ص:۱۷

۱۰۱ ۔ نور نہایارستہ جلیل عالی حرف اکادمی راولپنڈی ۲۰۱۸ ص:۹۱

۱۰۲ ۔ بحوالہ ڈاکٹر عزیز احسن نعت رنگ:۳ ستمبر ۱۹۹۶ء ص:۲۳۱

۱۰۳ ۔ ایضاً ص:۲۳۳

۱۰۴ ۔ بارگاہ رسول میں ص:۲۵۲

۱۰۵ ۔ کلیات خورشید رضوی (امکان) الحمد پبلی کیشنز ۲۰۱۲ء ص:۲۳

۱۰۶ ۔ نعت رنگ ۱۶، دسمبر ۲۰۰۲ء ص:۲۲۰

باب پنجم

اُردو نعت اور اسلامی ادب کی تحریک

اُردو نعت اور اسلامی ادب کی تحریک

قیامِ پاکستان کے بعد کے ادبی منظر نامے میں جہاں ترقی پسند تحریک اور حلقۂ اربابِ ذوق کا ادب اپنی اپنی جہات میں محوِ سفر تھا۔ وہیں اسلامی ادب کی تحریک نے بھی سر اُٹھایا۔ اس تحریک کو ترقی پسندوں سے منسوب الحاد و لادینیت کا ردّ عمل اور نئے ملک کی نظریاتی ضرورت بھی کہا گیا۔ مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی، نعیم صدیقی، پروفیسر خورشید احمد، پروفیسر فروغ احمد، ماہر القادری، اسعد گیلانی، پروفیسر ہارون الرشید، آباد شاہ پوری، محمد حمید اللہ صدیقی، عماد الحق صدیقی جیسے اکابر نے اس تحریک کے فکری پہلوؤں کو اجاگر کیا اور ان افکار کے فروغ کے لیے مجالس، مذاکروں، مشاعروں کے اہتمام کے علاوہ اخبارات، رسائل اور کتابوں کا اجرا کیا گیا اُردو ادب کی روایت میں اسلامی عناصر کی موجودگی مستقل اور فطری ہے اسلامی ادب کی تخلیق ابتدائے اُردو ہی سے روایت کا حصہ ہے۔ ہر عہد میں شعرا کے فکر و موضوع کو اسلام اور اسلامیات سے تخلیقی ضَو ملتی رہی ہے۔ ادب کے ہر موضوع کی طرح اس ضمن میں بھی شعری تخلیقات کی ادبی قدر و قیمت شاعر کی تخلیقی اُپج اور فنی مہارت سے مشروط ہے کیونکہ ادب کی تخلیق محض موضوع کے اطلاق یا مکتبِ فکر کے انتخاب پر منحصر نہیں لہٰذا اسلامی ادب کی تحریک کے زیرِ اثر تخلیق ہونے والے ادب کو بحیثیتِ مجموعی کمزور قرار دینا اور اس کی خوبیوں کو نظر انداز کرنا غیر متوازن رویہ ہے۔

زیرِ نظر موضوع کے تحت تحریکِ ادبِ اسلامی کے نعتیہ ادب پر اثرات کا جائزہ مقصود ہے تحریک ادب اسلامی سے وابستہ شعرا کی فہرست طویل ہے، اسلامی فکر، نظریاتی وابستگی اور فنی قدر و قیمت کے اعتبار سے تحریک کے قابلِ قدر شعرا میں نعیم صدیقی، ماہر القادری فروغ احمد، آسی ضیائی، عاصی کرنالی، اسرار احمد سہاروی، غافل کرنالی، جعفر بلوچ، تحسین فراقی، حفیظ الرحمٰن احسن، عبد الکریم ثمر وغیرہ شامل ہیں۔[۱]

نعیم صدیقی نے سیرت النبی ﷺ کی کتاب ''محسنِ انسانیت'' سے عالم گیر شہرت پائی۔ تحریکِ اسلامی سے متعلق بھی ان کی کئی تصانیف ہیں۔ ''نور کی ندیاں رواں'' ان کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ نعت میں ان کا اسلوب سلیقہ مندی اور تنوع کا آئینہ دار ہے۔ وہ نعت میں

اس ابہام کے قائل نہیں کہ نعتیہ عنوان کے باوجود شعری قرینے مدحِ رسول ﷺ پر صریحاً دلالت نہ کرتے ہوں اور جس کلام کی روح جذبہ عقیدت رسالت پر ہے وہ نعت کے زمرے میں ہے۔ نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

"میں نے جس نظریے کو دل میں رچا کر نعت کے میدان میں کام کیا وہ یہ تھا کہ ہر وہ شعری کاوش نعت کی تعریف میں داخل ہے۔ جس کا مرکزی سرچشمۂ تخلیق محبتِ رسول ﷺ ہو۔"(۲)

نعیم صدیقی کے نزدیک نعت کے پیرایوں میں نئے نئے تجربات، الفاظ وتراکیب اور اصطلاحات میں ایجادات کا محرّک یہی ہونا چاہیے کہ پیغمبرِ اسلام کی دعوتِ انقلاب کو اجاگر کیا جائے۔ علمیت نے ان کی نعت میں فکری اعتبار سے حقیقت بیانی اور توازن پیدا کیا ہے۔ نعتیہ مجموعے کی ابتدا میں ان کے پیش کردہ نکات بہت اہم ہیں۔ ایک اہم پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آدمی اگر محبت میں از خود رفتہ ہو تو پیغمبر کا مرتبہ اصل سے بہت زیادہ قرار دے لیتا ہے اور پیغمبر کی بشریت کی نفی کر کے گویا یہ ثابت کرتا ہے کہ حضور ﷺ جو کام کرنے آئے تھے اور جو پیغام دے کے گئے اور نظام قائم کرتے رخصت ہوئے وہ انسانوں کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ کسی فوق البشر کا کام ہے۔ اس خیال کے اثر سے دین کا پورا تصوّر ہی دعوتی نہیں رہتا۔"(۳)

یہ وہ نکتہ ہے جسے کم ہی ملحوظ رکھا گیا۔ نعت گو شعرا کی بڑی تعداد نے مذکورہ بالا اندازِ نظر کو اپنائے رکھا جو اُمّت میں دینِ حق کے لیے جہد و عمل کی روح بیدار کرنے میں معاون نہ ہو سکا۔ نعیم صدیقی کے ہاں کلاسیکی شعرا کی سی بلاغت اور رچاؤ نظر آتا ہے۔ سہل ممتنع کی خوبصورت مثالیں بھی ہیں:

نوری ہستی پھر بھی انساں — عقلیں غلطاں ، نظریں حیراں
جیسے سورج جیسے کرنیں — خود ہی دعویٰ خود ہی بُرہاں
رتبہ اونچا نظریں نیچی — دل میں تسکیں چہرہ تاباں
سر ، در سجدہ ، پا ، بر سدرہ — حیراں قدسی ، حوریں ، غلماں
موتی موتی حکمت دانش — کرنیں کرنیں ایماں عرفاں
خلوت فکری ، جلوت ذکر — صبحیں خنداں، راتیں گریاں(۴)

ان کی ایک نظم ''تھام لیجیے حضور!'' میں عصری آشوب کا اظہار سانحہ ۱۹۷۱ء کے تناظر میں کیا گیا ہے۔ نعت کا پہلا بند یہ ہے:

''حضور! میرے حضور!
میں وہ کہ آپ ﷺ کے سرچشمۂ محبت سے
مقامِ شرم کہ اب تک رہا ہوں دُور ہی دُور
میں تشنگی کا شکار
کئی سراب تھے جن کی طرف لپکتا رہا
میرے ضمیر میں رستے ہوئے کئی ناسور
رہا ہوں زندگی مستعار کا مزدور
بُری طرح سے پسا میرے دل کا فقر غیور
ہوس کے دیس کا میں ہوں مہاجر بے کس
بہت سی صدیوں کا صحرا کیا ہے میں نے عبور
پڑے ہیں راہ میں خارزار کئی
لہولہان قدم، تن کا انگ انگ ہے چُور
مجھے بدستِ کرم بڑھ کے تھام لیجیے حضور!''(۵)

نعیم صدیقی نے نظم ''میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں'' میں اُمت کے شکستہ کردار کی عکاسی کی ہے اور احتساب کیا ہے کہ ہمارے ماضی وحال کے آئینے میں ہمارا جو کردار و عمل جھلکتا ہے اپنی اس بے عملی کو دیکھتے ہوئے زبان سے عشقِ رسولؐ کے دعوے ہمیں زیب نہیں دیتے یہ گرمی گفتار اور پستی کردار ہمارے ظاہر و باطن اور قول و فعل کا تضاد ہے۔

میں تیرہ صدیوں کی دوری پہ ہوں کھڑا حیراں
یہ ایک ٹوٹا ہوا دل یہ دیدۂ گریاں
یہ منفعل سے ارادے یہ مضمحل ایماں
یہ اپنی نسبتِ عالی یہ قسمتِ واژوں
میں ایک نعت کہوں سوچتاں ہوں کیسے کہوں(۶)

نعتیہ منظر نامے میں نعیم صدیقی کا کردار بہت اہم ہے۔ اس اختصاص کا ذکر وہ خود ان لفظوں میں کرتے ہیں:

"دورِ نعت کے آغاز کا سہرا میں اپنے سر باندھتا ہوں کہ سب سے پہلے ہم نے ادبی رسالے میں نعت کی اشاعت کی، ماہنامہ سیارہ لاہور کا آغاز کیا تو ہر شمارے میں نعت لازماً ہوتی ہے اس کا اثر یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ دوسرے رسائل میں نعتیں آنا شروع ہوئیں حتیٰ کہ کیمونسٹ جرائد بھی نعتیں شائع کرنے لگے۔"(۷)

ماہر القادری کے نعتیہ مجموعوں میں ذکرِ جمیل اور ظہورِ قدسی شامل ہیں سب سے زیادہ مقبولیت ان کے لکھے ہوئے سلام کو حاصل ہوئی۔ ماہر القادری نے رسالہ فاران کے مدیر کی حیثیت سے بھی اشتراکیت پسندوں کے خلاف محاذ قائم کیا۔ دینی اقدار کے احیا اور ترویج و اشاعت کے لیے حلقۂ ادبِ اسلامی قائم کیا ان کا شعری سرمایا حمد و نعت کے علاوہ غزلیات و منظومات پر مشتمل ہے کچھ فارسی کلام بھی ان کے کلیات میں شامل ہے۔ ماہر القادری کی نعت میں مقصدی انداز غالب ہے۔ آنحضور ﷺ کی تعلیمات کا بیان، آنحضور ﷺ کی تعلیمات سے تاریخ و تہذیب کس طرح مستنیر ہے اس کی عمدہ عکاسی اور اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی کا درس ان کا مطمحِ نظر ہے۔ لہٰذا ان کی نعت میں الفاظ و معانی کی سادگی ہے۔ حقائق کا راست بیان ہے۔ بعض مقامات پر حیاتِ رسول ﷺ سے واقعات کو من و عن منظوم کیا ہے۔ ماہر القادری نے انقلاب کے حوالے سے یہ اظہار کیا ہے کہ آپ ﷺ جس انقلاب کے پیغمبر تھے وہی حقیقی و آخری انقلاب تھا۔ اس کے بعد آنے والے وقتی اور ہنگامی انقلابات کو زندگی کے مسائل کی اساس بنانا انتہائی خطرناک غلطی ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کے سیاسی، معاشی اور اخلاقی بحران کے شدید احساس نے ماہر کو حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے ابھارا ہے جو ان کی دانست میں مسلمانوں کے لیے بالخصوص اور سارے عالم کے لیے بالعموم اصلاحِ حال کا باعث ہو سکتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ پر یہ خیال کچھ اس طرح چھایا ہوا ہے کہ نعت کی کوئی لے اس مضمون سے خالی نہیں ہے۔"(۸)

ماہر نے سیرتِ رسول ﷺ کے سماجی پہلوؤں کو موضوع بنایا لیکن مقامِ رسالت

کے موضوع کو نظر انداز نہیں کیا۔ نبیٔ محترم کی شانِ اقدس میں ان کے ہاں پُر شکوہ اشعار ملتے ہیں۔ نعت میں صداقت کے اظہار کے لیے وہ خوبصورت تشبیہات و تلمیحات کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

جس کے اخلاق کی ہر طرف ہے مہک ، جس کے جلووں کی ارض و سما میں چمک
جس کا انصاف محکم ہے اور بے لچک ، جس کی تعلیم انسانیت کی زباں
جس نے صحرا نشینوں کی تہذیب کی جس نے اوراقِ فطرت کی ترتیب کی
جس نے حق کے صحیفوں کی تصویب کی جس نے علم و عمل کو کیا ہم عناں(۹)

وہ راستا جو حقیقت سے جا کے ملتا ہے
مرے حضور کے نقشِ قدم کا صدقا ہے(۱۰)

انسان کو شائستہ و خوددار بنایا
تہذیب و تمدّن ترے شرمندۂ احساں
اشکوں سے ترے دین کی کھیتی ہوں سیراب
فاقوں نے ترے دہر کو بخشا سروساماں
کردار کا یہ حال صداقت ہی صداقت
اخلاق کا یہ رنگ کہ قرآن ہی قرآں(۱۱)

یہ بزمِ آب و گل جتنی کہ برہم ہوتی جاتی ہے
محمدؐ کی شریعت اور محکم ہوتی جاتی ہے
قیامت میں مری فردِ عمل پر ہے نظر ان کی
طلوعِ مہر سے خود جذب شبنم ہوتی جاتی ہے(۱۲)

ادیب اور شاعر پروفیسر فروغ احمد کا شمار تحریک ادب اسلامی کے ان نقادوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اسلام کے تناظر میں اُردو ادب کا جائزہ لیا نیز اسلامی ادب کی تحریک کی نظریاتی اساس کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ ان کی کتاب ''اسلامی ادب کا جائزہ'' بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ فروغ احمد ''ماہنامہ سیارہ'' کی مجلس ادارت کا حصہ بھی رہے۔ نعتیہ کلام

کے سوا بھی فروغ احمد کی شاعری حق پرستی کی شاعری ہے، جس کا پیغام قرآن وسُنّت کا اتباع ہے۔ یوں وہ تمام عوارضِ انسانی کے حل کے لیے تفہیم اسلام کو لازم سمجھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ملّی عناصر کی اثر پذیری ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں آنحضور ﷺ کے کردار کی اجاگری اور حضور ﷺ سے وابستگی نمایاں ہے۔

نرمی دلوں کو جوڑے ، سختی چٹان توڑے
کردارِ مصطفیٰ کی ہر شان انقلابی(۱۳)

چشمِ بتاں میں خوار نہ ہو جائے عاشقی
مطلوبِ عاشقاں! مجھے رسوا نہ کیجیے(۱۴)

اسرار احمد سہاروی نے شاعری، افسانہ نگاری اور تنقید میں اسلامی نظریۂ حیات کو فوقیت دی جو شخصیات ابتدا ہی میں تحریکِ ادب اسلامی سے منسلک ہوئیں۔ اسرار احمد سہاروی ان میں شامل ہیں۔ تحریکِ ادبِ اسلامی کے اکثر شعرا کی طرح ان کے ہاں بھی اقبال کا اثر ملتا ہے لیکن ان کا نعتیہ آہنگ کلاسیکی اور روایتی تغزل پر مبنی ہے۔

نشانِ پا ہیں یہاں آ گہی کے سرچشمے
چمن چمن ہے دیارِ نبی کے راہ گزار
کدورتوں سے ہے خالی بشر کا قلب و دماغ
کچھ ایسی روح فزا ہے ترے چمن کی بہار
نبی کو عشق تھا اُمت سے اپنی اس درجہ
بوقتِ نزع وہی بن گئی تھی دل کی پکار(۱۵)

مثل گُل ہیں شگفتہ سر حشر بھی
جن پہ رحمت ہے سایہ فگن آپؐ کی
آپؐ کا نور پھیلا اُفق تا اُفق
پھیلی خوشبو چمن در چمن آپؐ کی(۱۶)

ذوقِ جنوں کی بات ذرا مان جایئے
خدمت میں ان کی لے کے دل و جان جایئے[۱۷]

عبدالکریم ثمر تحریکِ پاکستان کے سرگرم رکن ہیں۔ اُردو اور پنجابی کے ممتاز شاعر، صحافی، ادیب اور سیرت نگار ہیں۔ پنجابی زبان میں سیرت النبیؐ "سچی سرکار" کے نام سے لکھی جس کا اردو ترجمہ "رسولِ کائنات" ہے۔ وہ اقبال کے زبردست مقلد اور پیرو ہیں۔ ان کی شاعری میں نشاطیہ عناصر کا وفور ہے۔[۱۸] نعت گوئی میں وہ حزم و احتیاط کے قائل ہیں۔

نعت گوئی مقامِ نازک ہے
لکھتے لکھتے لرز رہا ہے قلم[۱۹]

ثمر نے آپ ﷺ کے کردار و سیرت اور حیات النبی ﷺ کے احوال و مقامات کا عکس لفظوں میں دکھانے کی سعی کی ہے۔ مذکورہ بالا رویے کی بدولت ان کے ہاں بے اعتدالی اور مبالغہ نہیں۔

قرآں کی آیتیں ہیں حدیثیں حضور کی
اپنی دلیل آپ نبوت ہے آپؐ کی[۲۰]

دن کو تلوار کی جھنکار ہے تکبیر کے ساتھ
شب کی تنہائی میں طٰہٰ کی صدائے پیہم[۲۱]

وہ سیّدِ کونین ہے محبوبِ خدا ہے
وہ بدر کے میداں میں بھی مصروفِ دُعا ہے[۲۲]

ترا وجود مقدس کمال پاکیزہ
ترا جمال منزہ جلال پاکیزہ
رُخِ جمیل پہ تاباں جلال ملکوتی
لبوں پہ موجِ تبسم مقال پاکیزہ[۲۳]

نعتیہ روایت کی تمام تر پاسداری کے بعد ثمر کے ہاں لہجے کی شگفتگی برقرار رہتی ہے۔

آنحضور ﷺ کے جلال وجمال کا ذکر، دیارِ نبیؐ کا ذکر اسی خوبصورت لہجے میں:

جو شکن جبیں پہ اُبھری تو فلک بھی کانپ اُٹھا
جو ہنسی لبوں پہ کھیلی تو حیات مسکرائی (۲۴)

در و دیوار حائل ہیں حرم میں
مگر راہِ محبت ہے کشادہ

پھولوں برسائیں حریمِ شوق پر
خندۂ گلزار کی باتیں کریں (۲۵)

عبدالکریم ثمر کے ہاں نعت صرف غزل کے پیکر میں جلوہ گر نہیں بلکہ ہیئتی تنوع کی حامل ہے جس کی مثالیں درج ذیل ہیں۔ یہ اشعار محض ہیئتی تنوع کی مثال نہیں بلکہ عصری کرب و آگہی اور وسعتِ مضامین بھی ان سے واضح ہے:

نبی کا حسنِ تمدّن نبی کا اوجِ خیال ۔۔۔ نہ سیم و زر کی تمنا نہ فکرِ جاہ و جلال
اثاثِ بیتِ نبوت ہے بوریا و حصیر
نبی خزینۂ انوار کائنات میں ہے ۔۔۔ نبی کا نور ہی نقشِ جمالیات میں ہے
نبی کے نور سے روشن ہے آدمی کا ضمیر (۲۶)

لہو بہار کے پتوں سے رِس رہا ہے ابھی ۔۔۔ جدال و جنگ میں افغان پِس رہا ہے ابھی
جدید بھیس میں آئے ہیں قیصر و فغفور
حضور! میرے حضور!
دُعا کا وقت ہے اے صاحبِ جمال و جلال ۔۔۔ اگر فضا میں سلگتی رہی یہ بادِ شمال
کرے گا کون نیابت پھر آدمی کی حضور
حضور! میرے حضور! (۲۷)

اسؔد ملتانی اُردو اور فارسی کے ممتاز شاعر اور ماہر اقبالیات تھے۔ ''مشارق'' حمد و نعت کا مجموعہ ہے جبکہ ''تحفۂ حرم'' میں حج کے سفر کی منظومات شامل ہیں۔ شاعری کا کلیات بھی

شائع ہو چکا ہے۔ جسے جعفر بلوچ نے ترتیب دیا ہے۔ ابتدا میں انھوں نے اسد ملتانی کے حمدیہ و نعتیہ کلام پر مفصل لکھا ہے۔ اسد ملتانی کی شخصیت، وسیع تصورِ دین، دینی مسائل میں ان کی دقیقہ رسی اور نظریۂ ادب پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے کلام میں اللہ اور رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ذکر اس پیغام کے ساتھ ہے کہ ہم زبانِ قلم سے جن جذبات کا اظہار کریں ہمارے عمل میں ان کی جھلک ضرور دکھائی دے ورنہ زبانی عبادات یا عشقِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دعوے مسلمانوں کو انفرادی یا اجتماعی فلاح کا راستا نہیں دکھا سکتے۔ جعفر بلوچ لکھتے ہیں:

"جناب اسد کی حمدیہ اور نعتیہ نظمیں صرف وہی نہیں ہیں جو ان عنوانات کے تحت شائع ہوئی ہیں۔۔۔ ان کی قریباً تمام قومی و ملّی نظمیں حمد و نعت اور اسلامیت کی بنا پر تخلیق ہوئی ہیں۔ ان کی سوچ کا ہر زاویہ قبلہ رُو نظر آتا ہے۔"(۲۸)

اسد ملتانی کا نمونہ کلام دیکھیے:

ہدایت ایسی جو کافی رہے قیامت تک
خدائے پاک کے پیغامِ آخریں سے ملی
نمونہ سب کے لیے ہے نبی کی سیرت میں
کہ جو نظیر بھی ڈھونڈی گئی یہیں سے ملی
ذرا بھی حشر، جزا و سزا میں شبہ نہیں
کہ یہ خبر ہمیں اک صادق و امیں سے ملی(۲۹)

آباد شاہ پوری اُردو، عربی، فارسی، انگریزی میں مہارت رکھتے تھے۔ صحافت، شعر و ادب، تاریخ و سوانح اور تحقیق و تصنیف میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ عالمِ اسلام سے متعلق تحریریں خصوصاً ان کی دلچسپی کا محور رہی ہیں۔ ان کا شعری سرمایہ کم ہے لیکن ان کی علمی و فنی قامت کا مظہر ہے۔ نعتیہ نظم "انسانوں میں یکتا انسان" کے اشعار دیکھیے:

امرت جو دریا کی صورت جس صحرا کو ہو لیتا ہے
بنجر مٹی کے سینے میں ذوق نمو کا بھر دیتا ہے
مہر منور جس کی شعاعیں زائل اندھیارے کرتی ہیں
بدر درخشاں جس کی کرنیں روح میں اجیارے بھرتی ہیں

جس کا تصوّر آتے ہی ایک ایک تصور کا دم ٹوٹے
تمثیلیں ساری خم کھائیں حرف کا داماں صَوت سے چھوٹے(۳۰)

حفیظ الرحمٰن احسن سہ ماہی سیارہ کے مدیر تھے اور اہم نعت گو شاعر تھے۔ ان کا شمار مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ اسلامی ادب کے فروغ کی دُھن ان کی مرتبہ کتب سے جھلکتی ہے، جبکہ "موجِ سلسبیل" حمدیہ و نعتیہ مجموعہ ہے۔ نعتیہ غزلوں میں ان کے ہاں کلاسیکی متانت ہے مگر ان کے لہجے میں محض روایت کا تتبع نہیں اس میں نیا پن بھی ہے۔ قومی تاریخ اور حالاتِ حاضرہ سے آگاہی اور اصلاحِ ملت کا جذبہ ان کے کلام میں محض جوش بن کر نہیں ابھرتا بلکہ طرزِ ادا متوازن ہے:

حرا کے فیضِ تجلی سے ہو گیا روشن
دل و جود تھا اک تیرہ خاکداں کی طرح
جمال مہرِ درخشاں کی آنکھ کا تارا
جلال عدل کی شمشیرِ بے اماں کی طرح
خیال نزہتِ احساس کا جہانِ لطیف
مزاج فطرتِ ہستی کے رازداں کی طرح(۳۱)

دن رات ایک دُھن تھی عزیمت تھی ہمرکاب
لوگوں میں نور بانٹتا پھرتا تھا آفتاب
ہر ظلمتِ حیات کا درماں تھا اس کے پاس
پہلو میں روشنی تھی تو ہونٹوں پہ تھی کتاب
شادابیاں حیات کا مقسوم ہو گئیں
ویران کھیتیوں میں لٹاتا رہا سحاب(۳۲)

فتح مکہ کا منظر نگاہوں میں ہے ، چشمِ تاریخ ہے دم بخود دیکھنا
سر جھکائے کھڑے ہیں عدو سامنے ، پیشِ ربِ علا سر ہے خم آپؐ کا(۳۳)

تحسین فراقی سنجیدہ ادبا کے اس حلقے سے ہیں جن کی سوچ اور زاویۂ فکر میں صیابت

ہے۔ ان کی تنقیدی و تحقیقی تحریریں جس گہرے شعور کا پتہ دیتی ہیں وہی شعور ان کی شعری تخلیقات کی بنیاد بھی ہے۔ نعت گوئی میں ان کا انداز مستحکم اور ذمہ دارانہ ہے۔ اس میں ناپختہ تجربات کی دھن نہیں بلکہ تذکرہ رسول کی متناسب لَے ہے۔ الفاظ و تراکیب اور شعری زمینیں خوبصورتی سے اس میں ڈھل جاتی ہیں:

بڑی مدّت سے غرق قعرِ دریائے ضلالت تھا
سفینہ نوعِ انساں کا معاً باہر اُچھل آیا
جہانِ تشنہ لب صدیوں سے پیچ و تاب کھاتا تھا
اچانک جوش پر اک تہ بہ تہ بادل کا دَل آیا
ادھر بے برگ شاخوں کی تہی بانہوں پہ بور آیا
ادھر جھپکی پلک اور ان پہ بے اندازہ پھَل آیا[۳۴]

نظم ''میلادِ حضور' میں بعثت سے قبل انسانی معاشرے کے حالات، انسانی کردار و عمل کی سیاہیاں اور پھر آمدِ رسول ﷺ کی بدولت اندھیروں کے زائل ہونے کا ذکر مرحلہ وار کیا ہے۔ نظم کے آخر میں آپ ﷺ کے فیوض کا ذکر اور اسمائے گرامی سے نظم کا حُسن بڑھ گیا ہے۔ نظم کے وسط سے مثال دیکھیے:

''۔۔۔تو شہر بطحا کی ریگ در ریگ سرزمیں پر
بسیط فاراں کی چوٹیوں پر
طلوعِ مہرِ منیر و انور کے ساتھ ہی تابشوں کے
سیلِ ہزار پہلو نکل کے لپکے
تو یک بیک
تیرہ و تار نفرتوں کے
ضلالتوں کے
شقاوتوں کے
عداوتوں کے
قساوتوں کے
بہیمیت کے نراجیت کے مہیب، تاریک، آبنوسی، سیاہ عفریت ایک دم میں

مثالِ برقِ سکوں ندیدہ
بسانِ برق زمیں رسیدہ
عدم کے پاتال میں اتر کر
گزر گئے روشنی سے ڈر کر
سمٹ گئے اپنی موت مر کر
حضور آئے تو ساتھ اپنے محبتوں کی نوید لائے
دکھی دلوں کے لیے وہ پیغامِ عید لائے
وہ افتتاحِ جہانِ نَو کی کلید لائے ''(۳۵)

حضور پاک ﷺ کی تعلیمات سے منحرف ہوکر اُمتِ مسلمہ ظاہر و باطنی طور پر جس المناک صورتحال سے دوچار ہے اس کا ذکر ان کی شاعری میں جابجا ملتا ہے۔ ذکر سرسری اور سطحی نہیں اس کی بنیاد گہرے دکھ اور کرب پر ہے۔ نظم 'اُمتِ مظلمہ' میں اس کا اظہار ملاحظہ ہو:

''ماتھوں پہ چیٹیں لگی ہوئی ہیں
ہاتھوں میں کاسہ گدا ہے
حلقومِ برادراں پہ خنجر
اور لشکرِ دشمناں میں جا ہے
عبرت کیشو نگاہ کرنا
یہ اُمتِ شاہِ دوسرا ہے ''(۳۶)

جعفر بلوچ کا شمار بھی ان شعرا وادبا میں ہے جن کی قلمی معاونت تحریکِ ادبِ اسلامی کو حاصل رہی۔ نثر میں ان کی اہم تنقیدی تصانیف آیاتِ ادب، اقبالیات اسد ملتانی، ارمغانِ نیاز، اقبال اور ظفر علی خان، صبحِ سخن اور اشارات وغیرہ ہیں۔ دیگر شعری اصناف کے علاوہ نعت میں بھی جعفر بلوچ اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ ان کے مجموعے ''بیعت'' پر رائے دیتے ہوئے ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں:

''جعفر کی نعت میں ایک بے ساختہ پن ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بے ساختہ پن بذاتِ خود دلیلِ صداقت ہوتا ہے۔ ''(۳۷)

جدید نعت کی منفرد آوازوں میں جعفر بلوچ موضوعِ فکر اور اسلوب کے لحاظ سے

اعتبار پائے ہوئے ہیں۔ ایک پختہ شاعر کی رمزیت، اشاریت اور علامت نگاری کے نمونے ان کی نعتوں میں جابجا ملتے ہیں۔

چمک اُٹھا ہے شہرِ جاں کا طاق طاق دیکھنا
فروغِ عشقِ مصطفیٰ کا اشتقاق دیکھنا
یہ کس کی سَمت پے بہ پَے رواں دواں ہیں ساعتیں
یہ کس کے پائے بوس کا ہے اشتیاق دیکھنا(۳۸)

خوشا وہ آخری معمارِ اقدارِ بشر آیا
مکمل شکل میں تعمیرِ انساں کی ضرورت تھی
کھلائے ہم نے گُل تاویل فرمان پیمبر کے
ہر اس موقع پہ جب تعمیلِ فرماں کی ضرورت تھی(۳۹)

منظومات میں ان کا ''قصیدۂ نعت'' چھوٹی بحر میں سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔ تشبیب میں ذہنِ انسانی کی تاریخ اور علم و ہدایت کی فطری ضرورت کا ذکر کیا ہے۔ گریز کے مرحلے پر دینِ اسلام کی آفاقیت کا ذکر کرتے ہوئے مدحِ رسول ﷺ کی طرف آتے ہیں۔ مدح کے بعد شاعر نے امتِ مسلمہ کی دین سے دُوری کا المیہ بھی بیان کیا ہے اور طلب کے مرحلے پر شاعر نے درِ رحمتِ دو عالم کے کبھی بند نہ ہونے کا ذکر چھیڑ کر پھر سے مدح کی صورت پیدا کر دی ہے۔ اسی قصیدے سے کچھ اشعار کی مثالیں دیکھیے:

ہر دل جو ادب گہِ وفا ہے
پیغمبرِ پاک کا حرِا ہے(۴۰)

اک لمحہ جو ان کے پاس بیٹھا
صبحیں وہ جہاں میں بانٹتا ہے(۴۱)

قلقل کا نیا ہے آج لہجہ
مطلب بھی نیا نکل رہا ہے

جعفر مرے معبدِ غزل میں
مدحت کا چراغ جل رہا ہے(۴۲)

وہ دستِ کشادہ و مکرّم
کب منتظرِ طلب رہا ہے(۴۳)

طاہر شادانی کا شعری سرمایہ مختصر ہے اور مقصدی و اصلاحی ڈھنگ رکھتا ہے۔ ان کی شعری تخلیقات میں نعتیں بھی شامل ہیں جن میں سے کچھ ان کے مجموعہ کلام ''شعلۂ نمناک'' میں شامل ہیں۔ کچھ اخبار و رسائل کی زینت بنتی رہی ہیں ان کی نعتوں میں الفاظ کا انتخاب عمدہ ہے۔ منفرد قوافی کے ساتھ غیر مردّف نعتوں کی مثال دیکھیے:

اے ماہِ عرب مظہرِ انوارِ الٰہی
کب تک مری قسمت میں شبِ غم کی سیاہی
بے شک مرے عصیاں کی نہیں کوئی نہایت
لیکن تری رحمت بھی تو ہے لامتناہی
تو نے کیا ظلمت کدۂ دہر کو روشن
ہے نورِ دل و جاں ترے تابندہ نگاہی
قرآن میں فرما کے رفعنالک ذکرک
اللہ نے دی ہے تری رفعت کی گواہی(۴۴)

ہر شخص یہاں تیز ہے ہر شخص کم آمیز
اے مطربِ خوش لہجہ کوئی لحنِ دلآویز
چھٹتے نہیں عصیاں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے
اے شاہِ اُمم! ایک نگاہِ کرم آمیز(۴۵)

تحریکِ ادبِ اسلامی میں آسی ضیائی کا نام تنقید اور شاعری دونوں میں اہم ہے۔ ان کے تنقیدی شعور کی جو جلوہ نمائی ان کے نعتیہ اشعار میں دکھائی دیتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مختصر مجموعۂ نعت کا نام ''حسرتِ نعت'' کیوں رکھا گیا گویا یہ اس اعتراف کا اظہار ہے کہ کامل معیارات کے ساتھ نعت کہنا سہل نہیں۔ یہ کٹھن مرحلۂ فن ہے۔ قول و فعل

کے اس تضاد کی وہ مذمت کرتے ہیں کہ شاعر قلم سے حُبِ رسول ﷺ کا اظہار کرے اور کردار و عمل اس کے برعکس ہو۔ ایسی صورت میں نعت اس کے لیے فلاح کا وسیلہ کیونکر بن سکتی ہے۔ یہ وہ رویہ ہے جو تحریک کے بیشتر شعرا کے ہاں ملتا ہے:

خوشامد، بے اطاعت، نعت گوئی ہو نہیں سکتی
عمل زنگار ہے آئینہ حبِ رسالت کا(۴۶)

نیاز و عجز کا ایک ایک شعر سے ہو ظہور
بھرا ہو ذہن میں لیکن کمالِ فن کا غرور
تضادِ فکر و زباں اور اس قدر بھرپور
مگر میں صِرف نبھانے کو وقت کا دستور
اسی کو پیشہ بناؤں تو کیا یہ نعت ہوئی؟(۴۷)

عاصی کرنالی کے تین نعتیہ مجموعے "مدحت"، "نعتوں کے گلاب" اور "حرفِ شیریں" ہیں۔ 'حمد و نعت پر فارسی روایت کا اثر' ان کی اہم تحقیقی کاوش ہے۔ ان کی نعتیں سادہ و سلیس ہیں لیکن خیال خوبصورتی سے پیش ہوا ہے۔ حفیظ تائب ان کے مجموعے "نعتوں کے گلاب" کے متعلق اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انھوں نے نعتیہ مضامین کو کچھ مزید وسعت، تنوع اور جمال عطا کیا ہے۔ انھوں نے نعت میں الوہیت اور رسالت کے امتیاز، کبریائی و مصطفائی کے تعلق، شرک و توحید میں حدّ فاصل، رسالت محمد کی جامعیت و ہدایت جملہ شعبہ ہائے زندگی میں آپ ﷺ کی رہبری، آپ ﷺ کی پُرنور قیادت اور کتاب و سُنّت کی برکات، سیرتِ اطہر کے خدوخال، پیروی پیغمبر کے ثمرات، اوامر و نواہی، خودشناسی، کائنات شناسی اور فردشناسی، انسان کے سفر عروج و ارتقاء میں حضور علیہ السلام کی برتری، آشوبِ عصر، احوالِ اُمت اور طلبِ رحمت تک زندگی کے ہر موضوع کو جس باخبری، جس شوق، جس حسن کاری، جس انفرادیت اور جس کمالِ فن سے بیان کیا ہے وہ اردو نعت کی روایت کو وقیع تر اور رفیع تر بنا گئے ہیں۔"(۴۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کے علاوہ ان کا مرغوب موضوع حاضری و حضوری کی کیفیات ہیں۔ ان کیفیات میں ڈوب کر مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عمدہ اشعار کیے ہیں:

خداوندا میں کیا کہہ کر پکاروں اس تجلی کو
جو آغوشِ حرا سے اُٹھ کے عالمگیر ہو جائے
میں تیرے گنبدِ خضریٰ سے جب لوٹوں تو یوں لوٹوں
یہ بیت النور میرے قلب پر تعمیر ہو جائے(۴۹)

رخسار کا کاغذ ہو اور اشکوں کی ہو تحریر
اس در پہ گزارش بھی بہ اندازِ دگر ہو
ہر ذرّے سے اُگتے ہوں جہاں سینکڑوں سورج
اس شہر میں کیا حوصلۂ اہلِ نظر ہو(۵۰)

اس شہر میں ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں صدیاں
اک لمحہ گزر جائے اگر بے خبری کا
اک صبح مدینے کی طرف لے اُڑی مجھ کو
میں بھی کوئی جھونکا تھا نسیم سحری کا
سر اپنا ترے باب معلّٰی پہ جھکا دے
یہ نقطۂ آخر ہے عروجِ بشری کا(۵۱)

عاصی کرنالی کے نعتیہ کلام میں سنجیدگی اور دلکشی ہے۔ ان کے ہاں صنائع بدائع کے استعمال میں ندرت ہے۔ وہ نعتیہ مضامین کی پیشکش میں ایک ارتباط قائم رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر عزیز احسن نے ان کی نعتیہ نظموں کو سراہتے ہوئے مکالماتی انداز کی ایک نظم کو اردو نعت کی تاریخ میں بے نظیر قرار دیا ہے:

ثنائے خواجہ میں اے ذہن! کوئی مضموں سوچ
جناب! وادئ حیرت میں گم ہوں کیا سوچوں؟

زبان! مرحلۂ مدح درپیش ہے ، کچھ بول
مجالِ حرف زدن ہی نہیں ہے کیا بولوں
قلم! بیاضِ عقیدت میں کوئی مصرع لکھ
بجا کہا ، سرِ تسلیم خم ہے کیا لکھوں؟(۵۲)

گوہر ملسیانی تیس سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ نظم و غزل کے پانچ مجموعوں کے علاوہ نعت کے پانچ مجموعے مظہرِ نور، متاعِ شوق، جذباتِ شوق ارمغانِ شوق اور چشمۂ رحمت بھی ان کی یادگار ہیں۔ حرمین شریفین کی فضاؤں میں، ان کا حج کا سفر نامہ ہے۔ اس کے علاوہ ادبِ اطفال اور اقبالیاتی ادب میں بھی گراں قدر کام موجود ہے۔ تفہیماتِ نعت، 'سیرتِ ہادی' اور 'عصرِ حاضر کے نعت گو شعرا' نعتیہ ادب میں ان کی نثری کتب ہیں۔ نعت گو شعرا کا یہ تذکرہ اوّلین تذکروں میں شمار ہوتا ہے۔ جس میں وطنِ عزیز کے نعت گو شعرا سے متعلق معلومات اختصار اور جامعیت سے بیان ہوئی ہیں۔

گوہر ملسیانی کی نعت میں سیرت النبی ﷺ کا بیان بکثرت ہے۔ پیرایۂ اظہار میں سادگی ہے نعت سے متعلق ان کی نثری تحریریں بھی جمالِ سیرت کو اجاگر کرنے کا پیغام دیتی ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> "گوہر ملسیانی کو آپ ﷺ کی ذات میں انقلابی شخصیت نظر آتی ہے جس نے اپنے کردار و سیرت سے عالمِ انسانیت کے سامنے اسوۂ کامل پیش کیا۔"(۵۳)

گوہر ملسیانی کے کلام سے کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

کدورتوں کے اندھیرے سمٹ گئے آخر
دلوں کی ضو ہیں مدینے کی چاہتوں کے چراغ(۵۴)

سرورِ کونین کا اسوہ ہے نورِ زندگی
مقصدِ تخلیقِ آدم ہے اطاعت کا شعور(۵۵)

آپؐ کے در سے پائے بشر روشنی
حسنِ اخلاق کی معتبر روشنی

نعت کہتے ہوئے اپنے اسلوب میں
پا رہا ہوں برنگِ دگر روشنی(۵۶)

اثر صہبائی کا مجموعۂ کلام "بحضور سرورِ کائنات" قیامِ پاکستان کے بعد کی دہائی میں شائع ہونے والے چند نعتیہ مجموعوں میں سے ہے۔ اثر صہبائی غزل کا پختہ شعور رکھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ نعت میں ان کا قلم پختہ کاری دکھاتا ہے۔ اثر صہبائی لکھتے ہیں:

"مذہب میری زندگی اور شاعری کا اہم ترین عنصر بن چکا ہے میرے نزدیک مذہب کی روح حق جوئی حق گوئی اور حق پرستی ہے اس اعتبار سے جملہ علوم و فنون پر مذہب کو حاوی سمجھتا ہوں"(۵۷)

اسی اندازِ نظر کی بدولت ان کا قلم بااعتماد ہے جو ایجاز اور اجمال معانی کی بلو قلمونی کو غزل کے شعر میں بسا دیتا ہے وہی اثر صہبائی کے نعتیہ کلام میں بھی دستیاب ہے:

آئینۂ مصطفیٰ میں آ کر
کیا جلوۂ حق نکھر گیا ہے
فردوس بکف ہوئیں وہ راہیں
جن راہوں سے تو گزر گیا ہے
کم یاب بہت تھا نور یزداں
اس نور کو عام کر گیا ہے(۵۸)

وہ میرِ قافلۂ رہروانِ جادۂ عشق
وہ صدرِ محفلِ ہستی محمدِ عربی
وہ جامِ زندگی و چشمۂ بقائے حیات
خضر بھی جس سے بجھاتا ہے اپنی تشنہ لبی(۵۹)

شان میں عرش کا مکیں ہے تُو
خُلق میں بوئے یاسمیں ہے تُو

کیا لکھوں نعت مختصر یہ ہے
خاتمِ دہر کا نگیں ہے تُو(٦٠)

غافل کرنالی کا کلام اپنے عہد کے بیشتر اخبارات و رسائل کی زینت بنتا رہا۔ ان کے اوّلین مجموعے قندیلِ حرم، میں حمد و نعت اور قومی و ملّی نظمیں شامل ہیں۔ ان کی ملی شاعری بھی اقبال اور ظفر سے متاثر ہے۔ غزلوں میں لہجہ نسبتاً دھیما ہے۔ نعت سے نمونہ ملاحظہ ہو:

ہمیں وہ قوتِ گویائی بخش دے یا رب
کہ ان کے نقشِ قدم سے کلام ہم بھی کریں
بھریں تجلی یزداں سے اپنے دامن کو
کبھی تو ان کی گلی میں قیام ہم بھی کریں(٦١)

وہی آگہی کا جلال ہے ، وہی منتہائے کمال ہے
کہ خدائے حسن و جمال کا وہی شاہ کارِ عظیم ہے(٦٢)

لالۂ صحرائی کے کلیات میں حمدیہ مجموعہ "قلم سجدے" اور چودہ مجموعہ ہائے نعت، لالہ زارِ نعت، بارانِ نعت، غزوات رحمۃ للعالمین، پھولوں کے لیے پھول، گلہائے حدیث، نعت ستارے، نعت دھنک، نعت سویرا، نعت صدف، نعت چراغاں، نعت کہکشاں، نعت چمن، نعت ہلارے، نعت شفق اور منظومات کا مجموعہ "حرمتِ قلم" شامل ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید کے بقول لالۂ صحرائی کی نعت کا انداز علمی ہے۔ عوامی نہیں خصوصاً غزواتِ رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے ان کی نعت گوئی ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ان شعرا میں شامل ہیں جن کے کلام کا مطالعہ فکر و اظہار کے نئے اسالیب سے متعارف کروا سکتا ہے۔(٦٣) دینی شعائر کا احترام و دینِ حق کی سربلندی کے لیے مصروفِ عمل رہنا ان کی شخصیت اور شاعری کے نمایاں اوصاف میں شامل ہے۔ لہٰذا ان کی نعت مقصد و اصلاح پر مبنی ہے۔ لالۂ صحرائی نے اپنی نعتوں کو فنی لحاظ سے سپاٹ مگر معنوی لحاظ سے پُر ارتعاش اور جذبہ انگیز کہا ہے کیونکہ یہ جذبہ ہی ان کی نعتوں کی وجہِ تخلیق اور اصل متاع ہے۔(٦٤) مگر ان کے انکسار کے باوجود ان کا کلام شعری خوبیوں کا حامل ہے۔

انساں کی خدائی سے انساں کو بچانے میں
آتی ہے نظر واحد تدبیر محمدؐ کی
باطل کے اندھیروں کو اعمال کی ظلمت کو
زائل کیے دیتی ہے تنویر محمدؐ کی(۶۵)

ہائیکو

حُب ان کی سویرا ہے
حب عالمِ فانی کی
چمکیلا اندھیرا ہے(۶۶)

نظم

عہدِ نبی میں
شہرِ نبی کا
کاش میں جھونکا ہوتا
ہوا کا جھونکا۔۔۔صبا کا موجہ
ان کے سانس جو مجھ میں گھلتے
جنت کی پُروائیں بنتا
لمس جو اُن کے رُخ سے ہوتا
نور کی چادر میں بن جاتا
تپتی ہوئی روحوں کے اندر
عشقِ نبی کے پھول کھلاتا
کاش میں جھونکا ہوتا(۶۷)

مذکورہ شعرا کے علاوہ بھی اسلامی ادب کی تحریک سے وابستہ شعرا کی بڑی تعداد نے نعت گوئی کو شعار بنایا۔ اس کے علاوہ تحریکِ ادبِ اسلامی کے معاون اور نمائندہ رسائل و جرائد پر نمودار ہونے والے شعرا کی تعداد کثیر ہے۔ چراغِ راہ، جہانِ نو، مشیر، فاران، سیارہ،

تعمیرِ انسانیت، اردو ڈائجسٹ، عفت، بتول وغیرہ اسلامی ادب کے رسائل و جرائد میں شامل ہیں۔ صنفِ نعت کے ضمن میں ماہنامہ ''سیارہ'' کا کردار خصوصاً اہم ہے۔ ماہنامہ سیارہ اگست ۱۹۶۲ء میں لاہور سے جاری ہوا۔ اس کے مدیر نعیم صدیقی تھے۔ جون ۱۹۷۶ء سے اسے سہ ماہی اشاعتِ خاص میں تبدیل کر دیا گیا۔ ۱۹۷۶ء سے شائع ہونے والے رسائل میں سیارہ کے اس شمارے کو یہ اوّلیت حاصل ہے کہ اس میں نعت کا ایک گوشہ ''زمزمۂ نعت'' شامل کیا گیا۔ جو اہم شعرا کی قابلِ قدر نعتوں پر مشتمل ہے۔ ''سیارہ'' میں لکھنے والے شعرا کی نعتیہ شاعری میں شمائل النبیؐ، عشقِ رسولؐ، حضور کی رحمت و عظمت، اخلاقِ کریمانہ اور شہرِ مدینہ سے متعلق مضامین ملتے ہیں۔ جن شعرا کا کلام سیارہ کی زینت بنتا رہا ان کی فہرست طویل ہے جن مین عبد العزیز خالد، احسان دانش، عبد الکریم ثمر، حافظ مظہر الدین، انور مسعود، حفیظ تائب، مظفر وارثی، راسخ عرفانی، تحسین فراقی، جعفر بلوچ، خورشید رضوی، راز کاشمیری، گل بخشالوی، یزدانی جالندھری، اسرار احمد سہاروی اور دیگر شعرا شامل ہیں۔ اگرچہ ''سیارہ'' میں نعتیں لکھنے والے تمام شعرا اسلامی ادب کی تحریک سے وابستہ نہ تھے مگر ''سیارہ'' کے پلیٹ فارم سے فروغِ نعت کی ان سرگرمیوں کو تحریکِ ادبِ اسلامی ہی کے ثمرات میں شمار کرنا چاہیے۔

بعض شعرا نے ادب و فن کے تقاضوں کو بخوبی نبھایا ہے۔ جن سے آگے چل کر نعت کے جدید اسالیب کی آبیاری ہوئی۔ معنوی اعتبار سے نعت میں مقصدی و اصلاحی رنگ اظہار کے نئے پیرایوں سے آشنا ہوا۔ یہ رسالہ اپنے عہد کے نعتیہ تناظرات کو بخوبی سامنے لاتا ہے۔ مگر گوہر ملسیانی نے تحریکِ ادبِ اسلامی کے تناظر میں ماہنامہ ''سیارہ'' کی نعتیہ خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے اس رائے کا اظہار بھی کیا ہے:

> ''ماہ نامہ 'سیارہ' نے اسلامی ادب کی جِلا کے لیے حمد و نعت کو تو فوقیت دی مگر نعت کو معیاری نعت بنانے کے لیے تنقیدی نظر استعمال نہ کی بلکہ نعت کے فروغ کے لیے اور اُردو ادب میں دیگر اصنافِ سخن کے مقابلے میں لانے کے لیے ایسا تحقیقی، تنقیدی، لائحۂ عمل اختیار نہ کیا جو اصنافِ حمد و نعت کو باوقار بناتا اور نعت کو ادب میں باافتخار بناتا کوئی تحقیقی اور تنقیدی مقالہ ان چالیس سالوں کی اشاعت میں سامنے نہیں آیا۔''(۶۸)

گوہر ملسیانی کی اس رائے سے جزوی اختلاف کی گنجائش موجود ہے 'سیارہ' میں نعت کے متعلق مضامین اور معاصر شعرا کی نعتیہ شاعری یا کسی مجموعۂ نعت پر مطالعات بھی اشاعت پذیر رہے ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد قلیل ہے۔ دوم یہ کہ 'سیارہ' میں تنقیدی مقالات کا شائع نہ ہونا تحریک کے شعرا کے تنقیدی نظر سے بے بہرہ ہونے کی تعبیر نہیں۔ ان شعرا نے اپنی تحریروں میں جہاں کہیں نعت پر اظہار رائے کیا ہے ان کا اندازِ نظر تنقیدی، ٹھوس اور مستحکم ہے۔ زیرِ نظر باب میں شامل شعرا میں نعیم صدیقی، ماہر القادری، تحسین فراقی، جعفر بلوچ اور عاصی کرنالی کی تحریریں اس کا ثبوت ہیں۔ بعض شعرا نے تنقیدی خیالات کو منظوم صورت میں اپنی نعتوں ہی کا حصہ بنا دیا ہے۔

حاصلِ بحث یہ ہے کہ اگرچہ اسلامی ادیب کے لیے بھی فن کی جمالیاتی و ادبی لطافت کو لازم قرار دیا گیا مگر اس تحریک کے مقصدی و تبلیغی انداز نے تخلیقی حسن کو متاثر کیا اور خطابت کا لہجہ موجود رہا۔ اسلام سے وابستگی ایک اور چیز ہے جبکہ پختہ ادبی اظہار ایک دوسری چیز ہے۔ تحریکِ ادبِ اسلامی کے متعلق یہ رائے قائم کی گئی کہ اس تحریک کے بیشتر شعرا نظریہ و اظہار میں مثالی آہنگ پیدا کرنے سے قاصر رہے۔ ادب میں رمزیت اور اشاریت کے لازمی عناصر سے جو حسن و لطافت جنم لیتی ہے۔ اس تحریک کے نمائندگان کا خلوص اور نظریاتی صداقت اس کے فروغ کے لیے کافی ثابت نہ ہوئے۔ مگر جہاں تک صنف نعت کا تعلق ہے۔ یہ مقصدی اور تبلیغی انداز، نعت کی جہتوں میں ایک مثبت اضافہ ہی ثابت ہوا۔ پروفیسر مہر اختر وہاب لکھتے ہیں:

> ''تحریک کے زیرِ اثر نعت محض مدحتِ سرکارِ مدینہ ہی نہیں بلکہ اسلام کی تبلیغ اور دعوتِ حق کی پیش کش کا وسیلہ بن گئی ہے اور آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے توسط سے انسانی زندگی کے جملہ تہذیبی اور سیاسی مباحث نعت میں سمٹ آئے ہیں۔''(۶۹)

اسلامی ادب کی تحریک پر، صنفِ نعت کے لیے تحقیقی، تنقیدی لائحہ عمل اختیار نہ کرنے کا اعتراض اس تناظر میں دیکھا جانا چاہیے کہ محض تقدیسی اصنافِ ادب کی محافظت اور ترقی، تحریک کا ادعا نہ تھا۔ اسلامی ادب کی تحریک کو جو نقاد میسر آئے انھوں نے شعر و ادب

کے متعلق بحیثیتِ مجموعی جن نظریات کا اظہار کیا وہ لامحالہ صنفِ نعت پر بھی لاگو ہیں۔ ادب کے مختلف ادوار کے مطالعے سے یہ بات واضح ہے کہ نعت کا فروغ کسی بھی ادبی تحریک کا مطمحِ نظر نہ تھا۔ اسلامی ادب میں نعت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ یہ پہلو بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ اسلامی نظریات و اقدار کو بحیثیتِ کُل پورے ادب پر لاگو کرنے کا وسیع منصب تحریک کے پیشِ نظر تھا اور کسی تحریک کا ادبی منشور کے اطلاق کے لیے صرف ایک صنف تک محدود یا مرکوز رہنا اس تحریک کی ہمہ گیری پر سوال اُٹھاتا ہے لہٰذا نعتیہ تحقیق و تنقید سے قطع نظر، تخلیق نعت کے فروغ میں تحریکِ ادبِ اسلامی کا کردار اہم ہے۔

حوالہ جات

۱۔ پروفیسر مہر اختر وہاب، اُردو میں اسلامی ادب کی تحریک، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص:۱۳۲

۲۔ ایضاً، ص:۱۳۵

۳۔ ایضاً، ص:۱۳۶

۴۔ نعت رنگ، شمارہ ۲۳، اگست ۲۰۱۲ء، ص:۱۹۳

۵۔ ایضاً، ص:۱۷۴

۶۔ ارمغانِ نعت، (طبع سوم)، مرتبہ: شفیق بریلوی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۰ء، ص:۲۸۲

۷۔ نعیم صدیقی، علمی وادبی خدمات، ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی، ادبیات، ص:۱۹۶

۸۔ اُردو میں نعتیہ شاعری، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق، اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص:۶۲۱

۹۔ کلیاتِ ماہر، ادارہ تعمیرِ ادب، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص:۸۲۶

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۳۰

۱۱۔ ایضاً، ص:۸۳۳

۱۲۔ ایضاً، ص:۸۳۴

۱۳۔ نعت رنگ، ۲۳، ص:۱۹۱

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۸۵

۱۵۔ اوج، نعت نمبر، جلد:۲، ۱۹۹۲-۹۳، لاہور، ص:۱۹۱

۱۶۔ نعت رنگ، ۲۳، ص:۱۸۱

۱۷۔ محدث میگزین، نومبر ۱۹۸۴ء

۱۸۔ اُردو میں نعت حالی سے حال تک (جلد دوم)، ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتحپوری، نعت ریسرچ سنٹر،

کراچی ۲۰۱۹ء، ص:۱۵۸
۱۹۔ بحوالہ، گوہر ملسیانی، ماہ نامہ سیارہ، جون ۱۹۷۷ء، ص:۱۰۲
۲۰۔ ایضاً، ص:۹۴
۲۱۔ ایضاً، ص:۹۵
۲۲۔ ایضاً، ص:۹۸
۲۳۔ ایضاً، ص:۹۷
۲۴۔ ایضاً، ص:۱۰۰
۲۵۔ ایضاً، ص:۹۶
۲۶۔ ماہنامہ سیارہ، جون ۱۹۷۷ء، ص:۱۷
۲۷۔ ماہنامہ سیارہ ستمبر، ۱۹۸۱ء، ص:۲۰
۲۸۔ نعت رنگ، ۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء، ص:۲۵۰
۲۹۔ ایضاً، ص:۲۵۶
۳۰۔ ماہنامہ سیارہ، سالنامہ ۱۹۸۷ء، لاہور، ص:۲۰
۳۱۔ ماہنامہ سیارہ، لاہور، جون ۱۹۹۵ء، ص:۱۲
۳۲۔ ماہنامہ سیارہ، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص:۵۶
۳۳۔ ماہنامہ سیارہ ستمبر ۱۹۸۱ء، ص:۳۱
۳۴۔ نعت رنگ، ۳ ستمبر ۱۹۹۶ء، ص:۳۰۷
۳۵۔ ماہنامہ سیارہ، ستمبر ۱۹۸۱ء، ص:۲۲
۳۶۔ بحوالہ نعت نامے، مرتبہ: ڈاکٹر سہیل شفیق، نعت ریسرچ سینٹر، ۲۰۱۴ء، ص:۲۴۳
۳۷۔ نعت رنگ، شمارہ ۱، اقلیم نعت، کراچی-اپریل ۱۹۹۵ء، ص:۳۱۵
۳۸۔ بحوالہ، پروفیسر مہر اختر وہاب، ص:۱۵۰
۳۹۔ ماہنامہ سیارہ، سالنامہ، ستمبر-اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص:۳۲

۴۰ ۔ ماہنامہ سیارہ، سالنامہ ۱۹۸۷ء، ص:۲۵

۴۱ ۔ ایضاً، ص:۲٦

۴۲ ۔ ایضاً، ص:۲۸

۴۳ ۔ ایضاً، ص:۲۸

۴۴ ۔ اوج، نعت نمبر، جلد:۲، ص:۱٦۷

۴۵ ۔ ماہنامہ سیارہ، لاہور، جون ۱۹۷۷ء، ص:۹۰

۴٦ ۔ اوج، نعت نمبر، جلد:۱، ۱۹۹۲–۹۳ء، ص:۵۰۸

۴۷ ۔ ماہنامہ سیارہ، مئی جون ۱۹۸۵ء، ص:۷۵

۴۸ ۔ نعت رنگ:۱، ص:۳۰۲

۴۹ ۔ ماہنامہ سیارہ، سالنامہ ۱۹۸۷ء، ص:۲۳

۵۰ ۔ نعت رنگ:۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء، ص:۳۳۱

۵۱ ۔ نعت رنگ:۲۳، ص:۱۹۵

۵۲ ۔ پاکستان میں اُردو نعت کا ادبی سفر، ڈاکٹر عزیز احسن، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۴ء، ص:۵۷

۵۳ ۔ نعت رنگ، ۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء، ص:۲۲۳

۵۴ ۔ نعت رنگ:۲۳، ص:۱۹۵

۵۵ ۔ ایضاً، ص:۵۱۱

۵٦ ۔ بحوالہ پاکستان میں اُردو نعت کا ادبی سفر، ص:۱۱٦

۵۷ ۔ روحِ صہبائی، راج محل پبلشرز، جمّوں ۱۹۴۵ء، ص:۷

۵۸ ۔ ارمغانِ نعت، مکتبہ دین وادب، لکھنؤ ۱۹٦۴ء، ص:۱٦۵

۵۹ ۔ بامِ رفعت، اثر صہبائی، اکادمی پنجاب، لاہور، ۱۹۵۴ء، ص:۳۸

٦۰ ۔ جامِ صہبائی، دارالتالیف، لاہور، ص:۲

۶۱ ۔ مخزنِ نعت، ص:۱۸۲

۶۲ ۔ نعت رنگ، ۲۳، ص:۱۹۲

۶۳ ۔ کلیاتِ لالہ صحرائی، لالہ صحرائی فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص:۱۱

۶۴ ۔ ایضاً، ص:۸۹

۶۵ ۔ ایضاً، ص:۹۹

۶۶ ۔ ایضاً، ص:۸۷۷

۶۷ ۔ ایضاً، ص:۲۱۰

۶۸ ۔ نعت رنگ:۲۳، ص:۲۰۰

۶۹ ۔ اُردو میں اسلامی ادب کی تحریک، ص:۱۶۳